سرکار کے قافلے
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مفتی محمد اکمل دامت برکاتہم العالیہ
مکتبہ اعلیٰ حضرت

حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی پوری حیاتِ پاک میں جتنے قافلوں میں بنفس نفیس خود سفر فرمایا.. یا.. خود شریک نہ ہوئے بلکہ صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کو روانہ کیا، ان میں سے اکثر کی مکمل تفصیل پر مشتمل ایک بہترین تحریر

سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قافلے

مؤلف

مفتی محمد اکمل

دامت برکاتہم العالیہ

مکتبہ اعلیٰ حضرت

الحمد مارکیٹ دکان 25 غزنی سٹریٹ 40 اردو بازار لاہور پاکستان
042-7247301-0300-8842540
E-mail:maktabaalahazrat@hotmail.com

مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور پاکستان

786
92

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ وعلیٰ الک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب	ـــــــ	سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قافلے
مؤلف	ـــــــ	مفتی محمد اکمل مدظلہ العالی
صفحات	ـــــــ	128
ہدیہ	ـــــــ	40 روپے
اشاعت	ـــــــ	اگست 2004

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت

الحمد مارکیٹ دکان 25 غزنی سٹریٹ 40 اردو بازار لاہور پاکستان
042-7247301-0300-8842540
E-mail:maktabaalahazrat@hotmail.com

انتساب

ان خوش نصیبوں کے نام جنہوں نے راہِ خدا عزوجل میں بارہا سفر کی سعادت حاصل کی اور اس راہ میں آنے والی تکالیف پر قلب وزبان کو شکوہ وشکایت سے محفوظ رکھا۔

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے ماں باپ، بیوی بچوں، دوست احباب اور کاروبار سے وقتی جدائی کو برداشت کیا، لیکن اس کے باوجود ماتھے پر کوئی شکن نہ آنے دی۔

اللہ تعالیٰ ان کے صدقے مجھ گناہ گار کی مغفرت فرمائے۔ امین

پیش لفظ

سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پوری حیاتِ پاک دین اسلام کی سربلندی اور تعلیم امت کے لئے مختلف باعثِ فضیلت امور اختیار کرتے ہوئے گزری۔ ان مقاصد کے لئے آپ نے بے شمار سفر اختیار فرمائے۔ جب ان سفروں کی روداد پڑھتے ہیں، تو بسا اوقات بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور کبھی دل لرز کر رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہمت و شجاعت کی داد دئے بغیر نہیں رہتا۔

اس کتاب کا مطالعہ آپ کو اسی قسم کی مختلف کیفیات سے دوچار کرواتا رہے گا اور ان شاء اللہ عزوجل بعدِ مطالعہ محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اضافہ ضرور ضرور محسوس کیا جائے گا۔

اگر دورانِ مطالعہ خود کو رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ شریک سفر تصور کریں، تو بے حد لطف آئے گا۔ نیز یہ خیال بھی بار بار ذہن میں گردش کرتا رہے، تو بہت خوب ہے کہ اس کتاب کا ایک ایک لفظ آپ کے لئے درجات کی بلندی کا سامان کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیدِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت کے مطابق دین اسلام کی خاطر بے شمار سفر کرنے اختیار کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

امین بجاہ النبی الامین (صلی اللہ علیہ وسلم)

خادم مکتبہ اعلیٰ حضرت

محمد اجمل عفی عنہ

۲۸ رجب ۱۴۲۵ھ بمطابق 14 ستمبر 2004ء

عرضِ مؤلف

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بدولت، رحمتِ کونین (ﷺ) کی حیاتِ پاک کے اکثر قوافل کی تفصیل جمع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان قوافل کی تمام تر تفصیل علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی (رضی اللہ عنہ) کی مشہور و معروف تصنیف ''الوفاء باحوال المصطفی (ﷺ)'' سے اخذ شدہ ہے۔ تفصیل کے لئے اس کتاب کے خصوصی طور پر انتخاب کی سب سے بڑی وجہ، علامہ موصوف کی سید عالم (ﷺ) سے محبت و گہری انسیت بنی۔ جس کا اندازہ اس وصیت سے لگایئے کہ جب آپ کا انتقال ہونے لگا، تو آپ نے قریب بیٹھے ہوئے احباب سے کہا کہ وہ سارے قلم اکٹھے کئے جائیں کہ جن سے میں نے پوری زندگی، رسول اللہ (ﷺ) کی احادیث کریمہ لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ حسبِ حکم قلم اکٹھے کئے گئے۔ پھر فرمایا، اب ان کے سروں پر لگی ہوئی سیاہی کھرچ لی جائے۔'' یہ حکم بھی پورا کردیا گیا۔ جس کے باعث روشنائی کا ایک ڈھیر لگ گیا۔ پھر آپ نے محبتِ رسول (ﷺ) میں ڈوب کر وصیت کی کہ ''میرے مرنے کے بعد غسل کے لئے تیار کئے پانی میں اس روشنائی کو ملا کر مجھے غسل دینا، شائد خدائے رحمٰن و رحیم اس جسم کو نارِ جہنم سے نہ جلائے، جس پر اس کے محبوب کی حدیث کی روشنائی لگی ہو۔''

اللہ تعالیٰ علامہ ابن جوزی (رضی اللہ عنہ) اور اس کتاب کے پڑھنے والے ہر مسلمان بھائی اور بہن کی مغفرت فرمائے اور اس کے ایک ایک لفظ کے بدلے میں بے شمار درجات کی بلندی کا سامان فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین (ﷺ)

طالبِ مغفرت محمد اکمل عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صلی تعالیٰ علی خیر خلقه ونور عرشه وزینت فرشه

محمد واله واصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

قافلہ،لغوی اعتبار سے کاروان کو کہتے ہیں۔یونہی اس کا اطلاق،سفر سے لوٹنے والوں..یا..سفر شروع کرنے والوں پر بھی ہوتا ہے۔لیکن سفر شروع کرنے والوں پر اس کا اطلاق نیک شگونی کے طور پر کیا جاتا ہے۔اس کی جمع قوافل ہے۔

سید الانبیاء حبیبِ کبریاء (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی حیاتِ پاک میں بے شمار قافلوں میں بنفس نفیس شرکت فرمائی اور لاتعداد قافلے ایسے روانہ فرمائے،جن میں آپ ظاہری اعتبار سے شریک سفر نہ تھے۔

ابتداءً آپ کے قوافل کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

﴿1﴾ اعلان نبوت سے قبل قافلے۔﴿2﴾ اعلان نبوت کے بعد قافلے۔

اعلان نبوت سے قبل آپ نے کوئی قافلہ روانہ نہ فرمایا،ہاں بذاتِ خود مختلف مقاصد کی غرض سے سفر اختیار فرمایا۔ان قوافل کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(i) بلوغت سے قبل قافلے۔(ii) بلوغت کے بعد قافلے۔

اعلان نبوت کے بعد قوافل بھی دو حصوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔

(1) ہجرت سے قبل قافلے۔(2) ہجرت کے بعد قافلے۔

پھر ان میں سے ہر ایک کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(i) وہ قافلہ ہجرت سے قبل تھا اور اس میں آپ نے بذاتِ خود شرکت فرمائی۔

(ii) وہ قافلہ ہجرت سے قبل تھا اور آپ اس میں شریک نہ تھے۔

(iii) وہ قافلہ ہجرت کے بعد تھا اور آپ اس میں بنفس نفیس شریکِ سفر تھے۔

(iv) وہ قافلہ ہجرت کے بعد تھا اور آپ اس میں شریک نہ ہوئے تھے۔

اس طرح قوافل سرکار (ﷺ) کی چھ صورتیں حاصل ہوئیں۔

(1) بلوغت سے قبل قافلے۔

(2) بلوغت کے بعد، لیکن اعلان نبوت سے قبل قافلے۔

(3) اعلان نبوت کے بعد اور ہجرت سے قبل ایسے قافلے، جن میں آپ نے بذاتِ خود شرکت فرمائی۔

(4) اعلان نبوت کے بعد اور ہجرت سے قبل ایسے قافلے جن میں آپ شریک نہ ہوئے تھے۔

(5) اعلان نبوت کے بعد اور ہجرت کے بعد ایسے قافلے جن میں آپ بنفس نفیس شریکِ سفر تھے۔

(6) اعلان نبوت کے بعد اور ہجرت کے بعد ایسے قافلے جن میں آپ شریک نہ ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے حبیبِ کریم (ﷺ) کی جانب سے روانہ کیے گئے مذکورہ تمام قوافل کا مطالعہ فرماتے ہوئے، ہر ذی شعور شخص بآسانی جان سکتا

ہے کہ ان کی روانگی میں دو عظیم مقاصد پوشیدہ تھے۔

(1) عظمتِ سرکار (ﷺ) کا تمام عالم پر انکشاف...اور...

(2) دین اسلام کا دفاع اور اس کی بقاء و ترقی

اعلان نبوت سے قبل قافلوں میں پہلا اور اس کے بعد قافلوں میں دوسرا مقصد زیادہ واضح نظر آتا ہے۔اس مقصود کو ذہن میں رکھتے ہوئے قوافل کی روداد کا مطالعہ، ان شاء اللہ عزوجل طبیعت میں ایک عجیب کیف اور سرور پیدا کردے گا اور پڑھتے ہوئے شیطان کسی قسم کی کوفت کا شکار نہ کروا سکے گا۔ان شاء اللہ عزوجل

آیئے اب ان تمام قوافل پر بالترتیب گفتگو کرتے ہیں۔

(1) بلوغت سے قبل قافلے:۔

پہلا قافلہ:۔

آپ کی حیاتِ مقدسہ کا سب سے پہلا قافلہ رضاعت کی غرض سے سفر فرمانے والی بی بی حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ عنہا) کا قافلہ تھا۔جس کی تفصیل ''بزبان بی بی حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ عنہا)'' یوں درج ہے کہ

''میں اور میرے خاوند، دودھ پلانے کی غرض سے بچہ حاصل کرنے کے لئے، عورتوں کی ایک جماعت کے ساتھ گھر سے نکلے۔میری ایک گدھی تھی، جس کا رنگ سبزی مائل تھا اور وہ انتہائی لاغر اور نحیف و نازار تھی، جس کی بناء پر باقی قبیلے کی سواریوں سے پیچھے رہ گئی تھی۔اس سال سخت قحط تھا اور اس نے کوئی شے باقی نہ چھوڑی تھی۔ہمارے پاس ایک عمر رسیدہ اونٹنی بھی تھی، لیکن بخدا! وہ ایک قطرہ بھی دودھ نہ

دیتی تھی۔ میرا بچہ بھوک سے چیختا چلاتا رہتا، جس کی وجہ سے ہم رات بھر سو نہ سکتے تھے۔ میرے پستانوں میں اتنا دودھ نہ ہوتا تھا کہ اس کو کفایت کر سکے اور نہ ہی اونٹنی اتنا دودھ دیتی، جو اس کی غذا ہو جائے۔ مگر ہم رحمتِ خداوندی سے مایوس نہیں تھے، بلکہ پر امید تھے کہ ضرور باران رحمت ہوگی اور ہماری تنگدستی، خوشحالی میں بدل جائے گی۔

جب ہم سب سے آخر میں مکہ مکرمہ میں پہنچے، تو معلوم ہوا کہ جتنے بچے قابل رضاعت تھے، وہ دوسری عورتوں نے لے لئے ہیں اور صرف ایک بچہ باقی ہے اور وہ بچہ ایسا ہے کہ جس کے بارے میں ہر عورت نے جب یہ سنا کہ وہ یتیم ہے اور دودھ پلانے کا صلہ تو والد نے دینا ہوتا ہے، لھذا اماں کیا دے گی، تو انہوں نے اس بچے کو لینے سے انکار کر کے محرومی مول لی اور دوسرے بچوں کو لے لیا۔

میں نے سوچا خالی ہاتھ واپس جاؤں، یہ ٹھیک نہیں۔ چنانچہ خاوند سے کہا، ''خدا کی قسم! میں تو اسی یتیم بچے کو لے کر واپس جاؤں گی۔'' چنانچہ میں بی بی آمنہ کے پاس گئی اور اس بچے کو اٹھا لیا اور سینے سے لگائے واپس آ گئی۔ میرے شوہر نے پوچھا، انہیں لائی ہو؟... میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا، تو نے بہت اچھا کیا، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے صدقے ہمیں خیر و برکت عطا فرمائے گا۔''

آپ فرماتی ہیں کہ جونہی میں نے انہیں دودھ پلانے کے لئے سینے سے لگایا، تو پستان دودھ سے بھرپور معلوم ہوئے، حتی کہ آپ نے سیر ہو کر پیا اور اس کے بعد میرے بچے نے بھی پیٹ بھر کر پیا۔

پھر جب میرا خاوند بوڑھی مریل اونٹنی کی دیکھ بھال کے لئے رات میں اٹھا، تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کا دودھ پستانوں سے خود بخود دیا ہر آرہا تھا۔ اس نے

ضرورت کے مطابق دودھ نکالا،حتیٰ کہ ہم نے پیٹ بھر کر پیا۔وہ رات ہمارے لئے بے حد خیر و برکت کی رات تھی۔میرا خاوند ان برکات کو دیکھ کر بولا،اے حلیمہ!میرے عقیدے کے مطابق تو نے بہت مقدس و مبارک فرزند کو حاصل کیا ہے،آج ہمارے بچے میٹھی نیند سو رہے ہیں اور ہمیں بھی سیرابی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا ہے۔

جب ہم اپنے قبیلے کی جانب واپس روانہ ہوئے،تو میری گدھی قافلے کی تمام سواریوں سے آگے نکل گئی اور پھر اتنی تیزی سے چلی کہ دوسری سواریوں کا اس سے آگے نکلنا تو درکنار،اس کے ساتھ رہنا بھی ممکن نہ رہا۔یہ کیفیت دیکھ کر قافلے والے پکار اٹھے،اے حلیمہ!ہمیں دوڑا دوڑا کر نہ تھکا،ہمیں اس مشکل سے چھٹکارا دلا، ذرا اپنی سواری کو آہستہ کر اور ذرا یہ تو بتا کہ کیا یہ وہی گدھی ہے کہ جس پر سوار ہو کر، تو اپنے گھر سے چلی تھی؟...حضرت حلیمہ (رضی اللہ عنہا) نے جواب دیا،ہاں،سواری تو وہی ہے (لیکن سوار بدل گیا ہے) سب نے حیران ہو کر کہا،اب تو واقعی اس کی شان ہی عجیب ہے اور اس کی حالت پہلے کی بنسبت بالکل مختلف ہوگئی ہے۔''اسی طرح سفر طے کرتے ہوئے ہم اپنے گھروں کو پہنچ گئے۔

گھر آئے تو خشک سالی،سرسبزی و شادابی میں بدل چکی تھی۔ہماری زمینیں سبزے سے لہلہا رہی تھیں۔مگر یہ سعادت اور خوش بختی صرف ہمارے حق میں ظاہر ہوئی تھی۔اس ذات کی قسم!جسکے قبضہ قدرت میں حلیمہ کی جان ہے،ہم اور دیگر گاؤں والے اکٹھے اپنی بکریوں کو چرانے کے لئے بھیجتے،مگر ہماری بھیڑ بکریاں پیٹ بھر کر واپس لوٹتیں اور پستان بھی دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے اور جب ان کے جانور واپس ہوتے،تو ان کے پیٹ بھی خالی ہوتے اور پستانوں میں ایک قطرہ بھی دودھ نہ

ہوتا تھا۔ ہم جتنا چاہتے دودھ پیتے، لیکن دیگر آبادی ایک ایک قطرہ دودھ کے لئے ترستی رہتی۔ وہ اپنے چرواہوں سے کہتے، "تمہارے لئے ہلاکت ہو، تم انہیں اس چراگاہ میں کیوں نہیں لے جاتے، جہاں حلیمہ کے جانور چرتے ہیں؟....

تبصرہ:۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ اظہارِ نبوت (ﷺ) سے قبل قافلوں میں حبیبِ کبریا (ﷺ) کی عظمت کو تمام عالم پر ظاہر کرنا ہی بنیادی مقصد نظر آتا ہے۔ مذکورہ واقعے میں بھی اسی مقصد کی تکمیل کا رنگ بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ بی بی حلیمہ کی بکریوں کا چراگاہوں سے بھرے پیٹ واپس آنا اور دیگر گاؤں والوں کا اس سے محروم رہنا بھی بالکل واضح ہے۔ کیونکہ جس نے رحمتِ کونین (ﷺ) سے منہ موڑا، رحمتِ الٰہی بھی اس کی جانب متوجہ نہ ہوئی اور جس نے بظاہر اس ننھے سے وجود کو سینے سے لگانے کی سعادت حاصل کی، رحمتِ خداوندی نے اسے مکمل طور پر اپنی آغوش میں لے لیا۔

نتیجہ یہی نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعامات وکرامات کا حصول بے وسیلہ سرکار (ﷺ) ممکن نہیں اور یہ قافلہ، قدرت کی جانب سے محبوبِ کبریا (ﷺ) کی شان کے اظہار کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

دوسرا قافلہ:۔

یہ قافلہ بی بی حلیمہ (رضی اللہ عنہا) کے رسول کریم (ﷺ) کو تقریباً پانچ سال کی عمر میں واپس گھر تک پہنچانے کے سلسلے میں تھا۔ چنانچہ

حضرت کعب (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے، بی بی حلیمہ (رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں کہ میں نے محمد (ﷺ) کو اپنی گدھی پر بٹھایا، گھر سے روانہ ہوئی اور مکہ مکرمہ کے بڑے دروازے تک پہنچی۔ وہاں کافی لوگ موجود تھے۔ میں نے محمد (ﷺ) کو نیچے اتارا تاکہ ان کے کپڑے بدل دوں اور خود بھی حاجات سے فارغ ہولوں۔ ابھی میں اتری ہی تھی کہ میں نے ایک بے حد خوفناک لرزا دینے والی آواز سنی۔ میں اس طرف متوجہ ہو کر پلٹی، تو میں نے اپنے نورِ نظر، لختِ جگر محمد (ﷺ) کو موجود نہ پایا۔ بے قرار ہو کر لوگوں سے پوچھا، میرا بچہ کہاں گیا؟... وہ پوچھنے لگے، کون سا بچہ؟... میں نے کہا، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب، جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے سرسبز و شاداب فرمایا اور میری بھوک اور تنگ دستی دور فرمائی۔ میں نے ان کی تربیت کی حتی کہ جب میری آرزو پوری ہوئی اور تربیت مکمل کر لی، تو میں انہیں لائی، تاکہ بی بی آمنہ (رضی اللہ عنہا) کے سپرد کر دوں اور امانت ادا کر کے عہدہ برآء ہو جاؤں، تو وہ میرے ہاتھ سے چھین لئے گئے۔ لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں ان کو نہ دیکھوں گی، تو پہاڑ سے کود کر جان دے دوں گی۔" لوگوں نے اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے کہا، ہم نے تو ایسی کوئی چیز دیکھی ہی نہیں (تو پھر تجھے کیا بتائیں اور تیری مصیبت میں کیا تعاون کریں)۔

جب انہوں نے مجھے بالکل مایوس کر دیا، تو میں نے اپنے سر پر ہاتھ رکھے اور بلند آوز سے پکارا، وامحمداہ!.... میری ان درد بھری نداؤں کو سن کر لوگ رونے لگے۔ پھر میں حضرت عبدالمطلب کے پاس حاضر ہوئی اور ان کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ آپ نے اپنی تلوار نکال کر تمام قریش کو آواز دی، سب کے سب اکٹھے ہو گئے۔

آپ نے فرمایا، میرا بیٹا گم ہو گیا ہے۔ سب نے کہا، پھر تو آپ جنگ و جدال کے لئے سوار ہو جائیں، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، اگر سمندر میں چھلانگ لگائیں گے، تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں۔'' چنانچہ سب سوار ہوئے اور مکہ مکرمہ کے نشیب و فراز سب کے سب چھان ڈالے، لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ تب عبدالمطلب، سب سے الگ ہو کر کعبۃ اللہ کے پاس پہنچے، طواف کے سات چکر لگائے اور بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہوئے، اے میرے ربِ کریم! میرے کسی سواری پر سوار ہو کر چلے جانے والے محمد کو مجھ تک لوٹا دے اور خصوصی احسان فرما۔

آپ کی اس دعا کے ساتھ ہی فضا میں ایک آواز گونجی، جسے سب لوگوں نے سنا۔ آواز یہ تھی کہ،

اے لوگو! رونے اور آہ وزاری کرنے کی بالکل ضرورت نہیں، محمد (ﷺ) کا رب انہیں کبھی ضائع نہ ہونے دے گا۔''

آپ نے فرمایا، اے آواز دینے والے! ہمیں تسلی واطمئنان دینے والے! کون ہمیں وہ عزیز ترین متاع واپس لا کر دے گا اور وہ کہاں ہیں؟.... جواب آیا، وہ وادی تہامہ میں شجرہ یمن کے پاس موجود ہیں۔ حضرت عبدالمطلب تیزی کے ساتھ وہاں پہنچے، تو دیکھا کہ حبیبِ خدا، درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں اور اس کی شاخوں کو کھینچ رہے تھے۔ عبدالمطلب، انہیں ساتھ لے کر واپس آئے اور بی بی حلیمہ (رضی اللہ عنہا) کو اعزاز و اکرام سے نوازا اور انعام دے کر رخصت کیا۔

نوٹ:۔

بی بی حلیمہ کا لات وعزیٰ کی قسم کھانا، قبول اسلام سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بعد میں آپ اور آپ کے شوہر نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ جیسا کہ مروی ہے کہ جب خاتم الانبیاء (ﷺ) دعویٰ نبوت فرمایا اور دعوتِ اسلام کا سلسلہ شروع کیا، تو بی بی حلیمہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ حاضر خدمتِ اقدس ہوئیں اور قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔

تبصرہ:۔

اس پورے واقعے کو بار بار پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سرکار (ﷺ) کی اچانک گمشدگی اور پھر سب کو واضح طور پر سنائی دی جانے والی ندائے غیبی کے ذریعے آپ کے مقام قرار کی خبر دینا، واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ اس سے مقصود صرف اور صرف سب پر عظمتِ رسول (ﷺ) کا اظہار تھا۔

تیسرا قافلہ:۔

چھ سال کی عمر میں والدہ کے ساتھ سفر کے سلسلے میں مرتب ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ جب سید عالم (ﷺ) کا عمر مبارک چھ سال کی ہوئی، تو وہ آپ کو ہمراہ لے کر اپنے میکے مدینہ منورہ تشریف لے گئیں تا کہ ان کے بھائی بھی رسول اللہ (ﷺ) کی زیارت کر سکیں۔ ام ایمن بھی ہمراہ تھیں اور سرکار نامدار (ﷺ) کی خدمت کا فریضہ سرانجام دے رہی تھیں۔ یہ مختصر قافلہ دو اونٹوں پر سوار ہو کر مدینہ منورہ پہنچا، دارِ نابغہ میں قیام پزیر ہوا اور ایک ماہ تک وہیں ٹھہرا۔

ام ایمن کہتی ہیں کہ دوران قیام قوم یہود کے بہت سے افراد یہاں آتے اور حبیبِ کبریا (ﷺ) کو بہت غور سے دیکھتے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کو

کہتے سنا، "یہ اس امت کے نبی ہیں اور یہی ان کا دارِ ہجرت ہے۔"...میں نے ان کی یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لی تھی۔

پھر بی بی آمنہ (رضی اللہ عنہا) آپ کو لے کر مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئیں، لیکن جب مقام ابواء پہنچیں، تو آپ کا وصال ہو گیا اور وہیں دفن کی گئیں۔

مروی ہے کہ جب رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر مقام ابواء سے گزرے، تو فرمایا، مجھے اللہ عزوجل نے میری والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ وہاں پہنچے اور قبر کو مٹی وغیرہ ڈال کر درست کیا۔ پھر آپ کی چشمان مبارکہ سے آنسوؤں کی بارش شروع ہو گئی۔ صحابہ کرام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ دیکھا، تو وہ بھی زار و قطار رونے لگے۔ آپ سے رونے کی وجہ دریافت کی گئی، تو ارشاد فرمایا، "مجھے میری والدہ کا بوقتِ وصال، حسرت بھری نگاہوں سے میری جانب دیکھنا، مجھے بار بار پیار کرنا اور دوران سفر راہ ہی میں چھوڑ کر، دنیا سے رخصت ہو جانا یاد کر کے رونا آ گیا تھا۔"

تبصرہ:۔

اس قافلے کا بظاہر مقصد، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے بعض رشتہ داروں سے ملوانا تھا، لیکن ام ایمن (رضی اللہ عنہا) کے پاس یہودیوں کی آمد، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بغور دیکھنا اور پھر دشمن ہونے کے باوجود آپ کی نبوت کا اقرار کرنا، ہمارے بیان کردہ مضمون کی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔

چوتھا قافلہ:۔

یہ قافلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بارش کی طلب کے لئے روانہ ہوا تھا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ رقیقہ کہتی ہیں کہ قریش پر لگا تار چند سال ایسے گزرے کہ جن میں بارش وغیرہ بالکل نہ ہوئی۔ قحط سالی اور خشکی کی بناء پر دودھ دینے والے جانوروں کے تھن بالکل خشک اور ہڈیاں گوشت سے بالکل خالی ہوگئی تھیں۔ ایک رات میں سوئی ہوئی تھی کہ کسی آواز دینے والے کو بلند اور سخت لہجے میں یوں کہتے سنا، اے جماعتِ قریش! تمہارے اندر مبعوث ہونے والے نبی کا زمانہ خروج بالکل قریب آ چکا ہے۔ یہ ان کے ظہور کے وقت طلوع ہونے والے ستاروں کا وقت ہے۔ لھذا تم جلد ہی پانی اور خوشحالی کا منہ دیکھو گے، چنانچہ تم اس کے لئے کوئی تدبیر اختیار کرو (اور وہ تدبیر یہ ہے کہ) اپنے اندر ایک ایسا شخص تلاش کرو جو درمیانہ قد ہے، مضبوط اعضاء، بھرپور جسم، سفید چمکیلی رنگت، لمبی گھنی پلکوں اور لمبی و بلند ناک والا ہے۔ وہ صاحبِ فخر ہیں، لیکن اس کو خواہ مخواہ ظاہر نہیں کرتے، بلکہ صبر و استقامت اور حلم و وقار کا اظہار فرمانے والے ہیں۔ یہ عظیم ہستی، اپنے نورِ نظر کو ساتھ لے کر باہر نکلے اور ہر خاندان اور قبیلے کا ایک ایک فرد بھی ان کے ساتھ جائے۔ یہ سب اچھی طرح غسل کر کے، خوشبو لگا کر، حجرِ اسود کا استلام کرنے کے بعد کوہِ ابوقبیس پر چڑھیں اور پھر وہ شخص بارش کی دعا کرے اور قوم اس پر آمین کہتی رہے، تو جتنی بارش چاہو گے حاصل ہو جائے گی۔

میں صبح جاگی، تو خوف کی وجہ سے میرا ایک ایک رونگٹا کھڑا تھا اور عقل و فہم زائل ہونے کو تھی، میں نے لوگوں کو خواب بیان کیا اور اس شخص کے بارے میں دریافت کیا۔ مجھے حرم پاک اور اس کی حرمت کی قسم! ہر شخص وہ خصوصیات سن کر کہنے

لگا کہ ایسی شخصیت تو فقط عبدالمطلب کی ہی ہے۔

بات کے مشہور ہوتے ہی تمام قریش عبدالمطلب کے پاس جمع ہو گئے، غسل کیا گیا، خوشبو لگا کر سب لوگ جبل ابوقبیس کی جانب روانہ ہو گئے ۔لوگ پہاڑ کی دونوں جانب سے اوپر چڑھے حتیٰ کہ کثرتِ تعداد کی وجہ سے اس کو بھر دیا اور مسلسل چڑھتے ہوئے اس کی چوٹی پر متمکن ہو گئے ۔پھر حضرت عبدالمطلب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور ان کے ساتھ رسول کریم (ﷺ) نے بھی ہاتھ اٹھائے، جو کہ ابھی بچے ہی تھے ۔حضرت عبدالمطلب نے یوں دعا کی، ''اے حاجات کو پورا کرنے اور کرب وبلا کو دور کرنے والے الہ العالمین! تو جاننے والا ہے اور دوسروں کو جتلانے والا، تجھے بتانے کی حاجت نہیں، تو ہی ہر ایک کی حاجت کی امید گاہ اور بخل و کنجوسی سے پاک ہے۔ یہ سب تیرے بندے اور تیری لونڈیاں ہیں، جو تیرے حرم کی پہاڑیوں پر کھڑے ہو کر تیری بارگاہ میں اپنی قحط سالی کی درخواست پیش کر رہے ہیں، جس نے نہ کوئی اونٹ چھوڑا ہے اور نہ بکری۔ لھذا ایسی موسلا دھار بارش برسا جو کھیتوں کو سیراب کر دے اور ہمیں خوشحال بنا دے۔

رقیقہ کہتی ہیں، مجھے کعبہ کی قسم! سب لوگ ابھی اسی جگہ کھڑے تھے کہ آسمان گویا پانی کے ساتھ پھٹ پڑا اور اس نے پانی کے دہانے کھول دئے اور وادی پانی کی موجوں کے ساتھ چنگھاڑ رہی تھی۔''

تبصرہ:۔

اس واقعے میں گو کہ حضرت عبدالمطلب کی فضیلت کی جانب زیادہ اشارہ

ملتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عبدالمطلب کو یہ فضیلت و مرتبہ فقط ذکر کردہ اوصاف کی وجہ سے حاصل ہوا تھا؟.... یقیناً جواب انکار میں ہی ہوگا، کیونکہ یہ سب کرامتیں، سرورِ کونین (ﷺ) کی نسبت کی برکت سے حاصل ہوئیں تھیں، یہی وجہ تھی کہ غیبی آواز نے خصوصی طور پر رحمتِ کونین (ﷺ) کو ساتھ لے جانے کی تلقین کی تھی۔ معلوم ہوا کہ جبل ابوقبیس جانے والا یہ قافلہ بھی عظمتِ نبی (ﷺ) کو آشکار کرنے کی غرض سے مرتب کیا گیا تھا۔

پانچواں قافلہ:۔

یہ قافلہ ابوطالب کے ساتھ سفر تجارت کی غرض سے روانہ ہوا تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب ابوطالب پہلی مرتبہ شام کی جانب بغرض تجارت تشریف لے گئے ،تو رسول اکرم (ﷺ) ان کے ہمراہ تھے اور آپ کی عمر مبارک بارہ سال تھی ۔ جب ان سواروں کا قافلہ بصرہ پہنچا، تو وہاں ایک خانقاہ کے قریب پڑاو ڈالا۔ اس خانقاہ میں ایک راہب رہا کرتا تھا، دیگر علماء یہود بھی اس میں رہائش پزیر تھے اور درس کتاب دیتے تھے۔

جب یہ قافلہ وہاں پہنچا، تو راہب نے دیکھا کہ ایک بادل سرورِ کونین (ﷺ) پر سایہ فگن ہے۔ پھر یہ قافلہ ایک درخت کے نیچے ٹھہرا، تو وہ بادل بھی درخت کے اوپر ٹھہر گیا۔ جب قافلے والے اس کے سائے میں بیٹھ گئے اور سید عالم (ﷺ) کے لئے سائے میں کوئی جگہ باقی نہ بچی، تو درخت کی شاخیں ایک طرف جھک گئیں اور آپ اس کے سائے میں تشریف فرما ہو گئے۔

یہ عجیب وغریب منظر دیکھ کر راہب جلدی سے نیچے اترا اور اس نے عمدہ

کھانا تیار کروا کر قافلے والوں سے کہا، اے قوم قریش! میں نے تمہارے لئے کھانا تیار کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم سبھی اس میں شرکت کرو اور کوئی اس سے پیچھے نہ رہے، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، آزاد ہو یا غلام، اور بھرپور امید ہے کہ تم مجھے اس اعزاز سے ضرور نوازو گے۔'' اس کی دعوت پر سب نے اس میں شرکت کی، لیکن رحمتِ کونین (ﷺ) اپنی کم عمری کے باعث سامان کی دیکھ بھال کی وجہ سے، قریب ہی براجمان رہے اور شریک دعوت نہ ہوئے۔

جب راہب نے ان تمام شرکاء کے حاضر ہونے کے باوجود وہ علامت ملاحظہ نہ کی، جس نے اسے دعوت پر مجبور کیا تھا یعنی ان میں سے کسی کے اوپر بادل نہ تھا، بلکہ وہ دور ایک کم عمر بچے پر سایہ فگن تھا، تو اس نے قافلے والوں سے کہا، اے قوم قریش! تم میں سے کوئی بھی میری دعوت سے دور نہیں رہنا چاہیئے۔'' انہوں نے کہا، اور تو کوئی پیچھے نہیں رہا، بس ایک بچہ ہے جو مال کی دیکھ بھال کے لئے خود ہی وہاں رہ گیا ہے۔'' وہ کہنے لگا، اسے بھی بلاؤ تا کہ دعوتِ طعام میں شمولیت کرے؛ یہ کتنی بری بات ہے کہ سب لوگ کھانا کھائیں اور ایک شخص پیچھے رہ جائے، حالانکہ وہ بھی تم ہی میں سے ہے۔

سب نے کہا، بخدا! وہ نسب کے لحاظ سے ہم سب سے اعلیٰ ہیں اور ابو طالب کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ وہ ان کے بھتیجے ہیں۔ حارث بن عبد المطلب بولے، ہمارے لئے واقعی باعثِ شرم بات ہے کہ حضرت عبد المطلب کا لختِ جگر اور عزیز ترین فرزند پیچھے رہ جائے اور ہم کھانا کھاتے رہیں۔ پھر وہ اٹھ کر گئے اور آپ کو ساتھ لے آئے، راہب نے دیکھا کہ بادل بھی سایہ کرتا ہوا ساتھ ساتھ آ رہا تھا۔

جب آپ دسترخوان پر تشریف فرما ہو گئے، تو راہب آپ کو بے حد غور سے دیکھنے لگا اور جو کچھ نبی آخر الزماں کی نشانیاں اس نے آسمانی کتب میں پڑھی تھیں، انہیں آپ کی ذات میں تلاش کرتا اور موافقت پیدا کرتا چلا جا رہا تھا۔

جب سارے لوگ کھانا کھا کر چل دیے، تو راہب اٹھ کر آپ کے پاس آیا اور عرض کی اے بیٹے! میں تمہیں قریش کے معبودوں لات و عزیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میں جو کچھ پوچھوں، صاف صاف بتلانا۔'' آپ نے ارشاد فرمایا، مجھے لات و عزیٰ کا واسطہ اور قسم نہ دو میں ان سے زیادہ کسی شے کو مبغوض و ناپسند نہیں سمجھتا۔'' راہب نے کہا، اچھا آپ کو اللہ عزوجل کا واسطہ اور اس کے نام اقدس کی قسم، میں آپ سے جو پوچھوں صاف صاف بتایئے گا۔'' فرمایا، ہاں اب جو پوچھنا چاہتے ہو، پوچھو۔'' پھر اس نے آپ سے جو کچھ پوچھا، آپ بتاتے گئے اور وہ سب سابقہ کتب کی پیشگوئیوں کے مطابق تھا۔ پھر اس نے آپ کی آنکھوں میں غور سے دیکھا، پھر دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا اور اسے بوسہ دینے کی سعادت حاصل کی۔

قریش یہ سب کچھ کر بولے، محمد (ﷺ) کا اس راہب کی نگاہوں میں بڑا عظیم مرتبہ ہے۔ اور ابو طالب بے شمار اندیشوں میں گھر گئے۔ راہب نے ان سے بچے کے بارے میں پوچھا کہ یہ تمہارا کیا لگتا ہے؟... انہوں نے کہا، بیٹا۔'' اس نے کہا، نہیں یہ آپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا، نہ اس شہزادے کی یہ شان ہے کہ والدین کی تربیت و پرورش پر ان کو چھوڑا جائے (بلکہ اللہ رب العزت خود ان کی پرورش فرمانے والا ہے) اس وقت آپ نے کہا، یہ میرا بھتیجا ہے۔'' اس نے پوچھا، ان کے والدین کو کیا ہوا؟... انہوں نے کہا، جب یہ اپنی والدہ کے شکم میں ہی تھے، تو والد کا انتقال ہو گیا تھا اور پھر والدہ بھی

کچھ عرصے بعد فوت ہوگئیں تھیں۔

راہب نے کہا، آپ نے سچ فرمایا، اپنے اس عزیز کو لے کر واپس اپنے شہر چلے جاؤ اور یہودیوں سے اس کو محفوظ رکھنا، کیونکہ جو کچھ میں نے جان لیا ہے، اگر انہیں بھی معلوم ہوگیا اور انہوں نے اس بچے کو پالیا، تو وہ ضرور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ یقین رکھو کہ عنقریب اس بچے کی عظیم شان ظاہر ہونے والی ہے ۔ہمیں یہ تمام باتیں اپنی کتابوں اور آباء واجداد کی روایات کے ذریعے معلوم ہوئی ہیں۔ اب آپ جایئے، میں نے اپنا حق نصیحت وخلوص وہمدردی ادا کر دیا ہے۔

جب یہ قافلہ تجارت وغیرہ سے فارغ ہوا اور وطن واپسی کا ارادہ کیا، تو چند یہودیوں نے رحمتِ عالم (ﷺ) کو بحیثیتِ نبی پہچان لیا، چنانچہ انہوں نے آپ کو شہید کرنے کی ناپاک منصوبہ بندی تیار کرلی، لیکن اسے عملی جامہ پہنانے سے پہلے اسی راہب کے پاس مشورے کی غرض سے پہنچے۔ راہب نے ان سے پوچھا، مجھے سچ سچ بتانا، کیا تم اس بچے میں اپنی کتب میں لکھی ہوئی نشانیاں موجود پاتے ہو؟... انہوں نے کہا، ہاں۔'' کہا، پھر تم انہیں کبھی شہید نہیں کر سکتے (کیونکہ اللہ عزوجل ان سے ایک عظیم کام لینا چاہتا ہے، اور تمہارے لئے ارادۂ خداوندی کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالنا ممکن نہیں، چنانچہ) اس برے ارادے سے باز آجاؤ۔'' یہ بات سن کر انہوں نے بھی اس سے اتفاق کیا اور اس ارادۂ فاسدہ کو ترک کر دیا۔''

تبصرہ:۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس واقعے سے بھی بخوبی جانا جاسکتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے کس طرح اپنے حبیبِ کریم (ﷺ) کی عظمت کو قلوب میں پیدا اور راسخ فرمایا۔ راہب کی دعوت پر اپنے حبیب کو اولاً نہ آنے دینے، بادل کا سایہ کرنا، درخت کا جھکنا اور راہب کی جانب سے یہودیوں کو ناپاک ارادے کی تکمیل سے باز رکھنے کی غرض سے نصیحت آموز کلمات کا جاری ہونا، ثابت کرتا ہے کہ اعلان نبوت سے قبل ہی نبوت کے اظہار اور اسے تسلیم کروائے جانے کی تمہید کا آغاز ہو چکا تھا۔

(2) بلوغت کے بعد، لیکن اعلان نبوت سے قبل قافلے:۔

پہلا قافلہ:۔

مروی ہے کہ جب رسول خدا (ﷺ) اپنی عمر مبارک کے پچیسویں سال کو پہنچے، تو ابو طالب نے آپ سے کہا کہ ”میرے پاس مال و دولت نہیں ہے اور یہ دن ہمارے لئے ذرا دشواری و تنگی کے ہیں اور قومِ قریش کا قافلہ تجارت شام کو جانے والا ہے اور خدیجہ بنت خویلد، قومِ قریش سے بہت سے آدمی اپنے قافلوں میں بغرضِ تجارت بھیجتی رہتی ہیں، اگر تم آمادگی ظاہر کرو اور ان سے مالِ تجارت لے جانے کے متعلق کہو تو وہ فوراً رضامند ہو جائیں گی۔“

ادھر حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کو بھی ابو طالب اور حضورِ اکرم (ﷺ) کی باہمی گفتگو کا علم ہوا، تو انہوں نے خود ہی پیش کش کی کہ میں آپ کو دوسرے لوگوں کی نسبت دوگنا مال پیش کروں گی۔ تو ابو طالب بولے، ”یہ رزق اور مال محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی تمہارے حصے میں آیا ہے۔

آپ، حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ سفرِ شام کے لئے نکلے، آپ

کے چچا نے اہل قافلہ کو ان کے متعلق وصیت فرمائی۔ یہ قافلہ چلتا ہوا بصریٰ میں پہنچا، تو رسولِ اکرم (ﷺ) اور میسرہ نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا۔ وہاں ایک نسطورا نام کا راہب تھا، اس نے جب ان دو حضرات کو اس درخت کے نیچے آرام فرما دیکھا تو فوراً بولا کہ ''اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں نازل ہوا۔'' پھر میسرہ کو بلا کر دریافت کیا کہ ''کیا ان کی آنکھوں میں موجود باریک سرخ دھاریاں کبھی جدا نہیں ہوتیں اور نہ ہی ختم ہوتی ہیں؟''... اس نے کہا، ''ہاں۔'' نسطورا بولا ''یہ نبی آخرالزمان اور خاتم الانبیاء ہیں۔''

پھر سرورِ عالم (ﷺ) نے شام میں سامانِ تجارت فروخت کیا۔ ایک شخص نے کسی بات پر جھگڑا کرتے ہوئے کہا، ''لات وعزیٰ کی قسم کھاؤ۔'' آپ (ﷺ) نے فرمایا، ''میں نے کبھی ان کی قسم نہیں کھائی اور مجھے بارہا اس بات کا (اقرباء کی طرف سے) مشورہ بلکہ حکم دیا جاتا رہا ہے، لیکن میں نے کبھی اس طرف التفات نہیں کیا۔'' اس شخص نے کہا، ''آپ کی بات درست ہے۔'' پھر میسرہ سے مخاطب ہو کر کہا، ''بخدا! یہ نبی ہیں اور ہمارے احبار و علماء آپ کی صفات و علامات کو اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''[1]

اور میسرہ دیکھتا کہ جب گرمی دوپہر کے وقت اپنے عروج پر ہوتی، تو دو فرشتے آپ پر سایہ فگن رہتے اور دھوپ سے تحفظ کرتے۔ میسرہ نے یہ سارے عجائب و خوارق یاد رکھے اور واپسی پر حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے عرض کیے۔

---

[1]:۔ غالباً یہ شخص یہودی تھا اور اس نے اپنے علماء سے سن رکھا تھا کہ نبی آخرالزمان لات وعزیٰ کی کبھی قسم نہ کھائیں گے۔ (۱۲ منہ)

الغرض نبی اکرم (ﷺ) اور اہلِ قافلہ نے اپنے سامان تجارت کو فروخت کیا اور پہلے کی نسبت دوگنا نفع کمایا۔ جب مکہ مکرمہ واپسی ہوئی، تو دوپہر کا وقت تھا اور حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) اپنے بالا خانے پر تشریف فرما تھیں۔ سرورِ عالم (ﷺ) کو دیکھا کہ آپ اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ حیرت انگیز منظر گھر میں موجود دوسری عورتوں کی بھی دکھایا، تو سب حیران رہ گئیں۔

حبیبِ پرودگار (ﷺ) ان کے پاس پہنچے اور انہیں اس سفر میں حاصل ہونے والے نفع کی تفصیلات بیان کیں، تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ جب میسرہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے اس سے فرشتوں کا آپ پر سایہ فگن ہونا بیان کیا۔ اس نے کہا، "یہ صورت تو میں اس وقت سے دیکھتا چلا آرہا ہوں جب سے آپ (ﷺ) نے شام سے لوٹنے کا ارادہ فرمایا تھا اور ان کو نسطورا راہب نے جو کچھ کہا تھا، وہ بھی بیان کیا اور شام میں جس شخص نے نزاع وخصومت کی اور پھر آپ کی صداقت وامانت کا معترف ہوگیا اور نبوت ورسالت کے متعلق گواہی دی، وہ ساری تفصیل بھی بیان کی۔"

تبصرہ:-

اس قافلے میں بھی حبیبِ کبریاء (ﷺ) کی شان رفعت کا اظہار ہی اصل مقصود نظر آتا ہے۔ کیونکہ فرشتوں کا سایہ فگن ہونا اور اسے عام لوگوں پر ظاہر بھی کردیا جانا، نیز یہودیوں کا آپ کو بحیثیتِ نبی کے پہچان لینا اور ان پر علاماتِ نبوت کو ظاہر کردینا، واضح طور پر ان امور میں پوشیدہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کو ظاہر کررہا ہے۔

(3) اعلان نبوت کے بعد اور ہجرت سے قبل ایسے قافلے جن میں آپ نے بذاتِ خود شرکت فرمائی:۔

پہلا قافلہ:۔

صحابہ کرام کی معیت میں سوق عکاظ (یعنی عکاظ بازار) کی جانب تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ حضور (ﷺ) اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی معیت میں سوق عکاظ کی طرف تشریف لے گئے اور چونکہ اعلانِ نبوت کے بعد شیاطین کو (چوری چھپے) آسمانی خبریں حاصل کرنے سے روک دیا گیا تھا اور ان پر آگ کے شعلے برسائے جاتے تھے، چنانچہ اب کی بار کوشش میں ناکام ہونے کے بعد جب وہ اپنی قوم کی طرف (خائب و نامراد) لوٹے، تو انہوں نے پوچھا، ''کیا ہوا؟'' اِنہوں نے کہا کہ ''اب تو ہمارے اور آسمانی اخبار و اطلاعات کے درمیان بڑی رکاوٹیں درپیش ہوگئی ہیں اور ہمیں اوپر جانے پر آگ کے شعلوں سے نشانہ بنایا جاتا ہے۔''

وہ کہنے لگے، پھر تو ضرور کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے جس کی وجہ سے یہ رکاوٹ پیدا کردی گئی ہے، لہذا زمین کے تمام اطراف و اکناف میں گھوم پھر کر جائزہ لو کہ کونسا نیا امر رونما ہوا ہے؟... چنانچہ تمام شیطان شرق و غرب میں دوڑے اور جائزہ لینے لگے کہ کون سا امر حائل ہوگیا ہے۔ جو جن اور شیاطین تہامہ (ارضِ حجاز) کی طرف متوجہ ہوئے تھے، وہ رسول اکرم (ﷺ) کے پاس آپہنچے۔ جبکہ آپ مقام نخلہ پر صحابہ کرام (ر [illegible]) کو نمازِ فجر پڑھا رہے تھے اور وہاں سے سوقِ عکاظ کی طرف جانے کا ارادہ

تھا۔ جب قرآن مجید کی تلاوت کی آواز ان جنوں کے کانوں تک پہنچی، تو وہ اس کو سننے کے لئے ہمہ تن گوش بن گئے۔ جب اس کی فصاحت وبلاغت اور تاثیر واثر انگیزی کو ملاحظہ اور اس میں جلالِ خداوندی اور اس کی شانِ رحیمی ورحمانی کا مشاہدہ کیا، تو پکار اٹھے کہ یقیناً یہی وہ چیز ہے جو ہمارے اور آسمانی خبریں حاصل کرنے کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔

وہ جن اس مقام سے واپس ہوئے اور اپنی قوم سے جا کر کہا، "**یا قومنا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فآمنا به ولن نشرک بربنا احدا** ۔اے ہماری قوم ہم نے ایک عجیب کتاب (کی تلاوت) سنی ہے، جو صحیح راہ بتاتی ہے، لہذا ہم تو اس کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں اور ہرگز اپنے رب تبارک وتعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

اور ادھر اللہ تعالیٰ نے حبیب پاک (ﷺ) پر یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی

"**قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا** ۔تم فرماؤ مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنوں نے میرا پڑھنا کان لگا کر سنا تو بولے، ہم نے ایک عجیب قرآن سنا۔ (ترجمہ کنز الایمان۔ پ ۲۹۔ الجن ۱)

تبصرہ:۔

غالباً رسول کریم (ﷺ) کا بازار کی جانب یہ قافلہ تبلیغ دین کی غرض سے تھا۔ کیونکہ لوگ اس بازار میں دور دراز سے خریداری کی غرض سے آیا کرتے تھے،

چنانچہ یہاں کسی کا دعوتِ اسلام قبول کر لینا، بہت جلد اسلام کے اطراف میں پھیلنے کا سبب بن سکتا تھا، لھذا حبیبِ کبریا (ﷺ) نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ یہاں کا قصد فرمایا۔

اور جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا جا چکا کہ اعلان نبوت کے بعد روانہ ہونے والے قافلے اکثر دعوتِ دین اور اسلام کو عام کرنے کی غرض سے تھے، اس قافلے میں بھی اس مقصد کی موجودگی قطعاً مخفی نہیں۔

اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے حبیب (ﷺ) سے تبلیغ کا کام لینا فقط ایک ضابطے کی کاروائی تھی، ورنہ اللہ تعالیٰ تبلیغ کے سلسلے میں کسی ظاہری سبب کا محتاج نہیں۔ جنوں کو قرأت کی جانب مائل کر کے اسلام کی دولت سے فیضیاب فرمانا، اسی کی ''مشیت وقدرت'' اظہار ہے۔

دوسرا قافلہ:۔

جنوں کو تبلیغ فرمانے کی غرض سے تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ حضور اکرم (ﷺ) باہر تشریف لے گئے اور مجھے بھی ہمراہی کا شرف بخشا۔ جب آبادی سے دور نکل گئے، تو ایک دائرہ کھینچ کر مجھے اس کے اندر بیٹھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میری واپسی تک اس سے باہر نہ نکلنا۔ پھر آپ مجھے بٹھا کر تشریف لے گئے اور سحر کے وقت واپس قدم رنجہ فرمایا۔ تب ارشاد فرمایا، ''میں جنوں کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں ـ'' میں نے عرض کی، یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ کیسی آوازیں تھیں، جو میں سنتا رہا ہوں (اگرچہ معنی ومفہوم کا پتہ نہیں چلتا

تھا)؟...فرمایا،''یہ آواز جنوں کی تھی اور اس وقت بلند ہو رہی تھی، جب انہوں نے میری بارگاہ میں سلام و نیاز کے تحائف وہدایا پیش کیے اور الوداع کہا۔''

تبصرہ:۔

یہ مختصر ترین قافلہ بھی چونکہ اعلان نبوت کے بعد تھا، لھذا اس میں بھی تبلیغ دین کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ نیز اس واقعے سے جنوں سے متعلقہ وظائف وعملیات پڑھتے اور کرتے ہوئے اپنے چاروں طرف حصار کھینچنے کا ثبوت بھی حاصل ہوتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرح جن بھی سید الانبیاء (ﷺ) پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

تیسرا قافلہ:۔

گھر سے کعبۃ اللہ کے طواف کی غرض سے تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سب سے زیادہ قریش نے رسول اکرم (ﷺ) کو جو تکلیف پہنچائی (اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ اس واقعہ کو یاد کر کے آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا) وہ یہ تھی کہ نبی پاک (ﷺ) بیت اللہ شریف کے گرد طواف کر رہے تھے اور انہوں نے اپنے دستِ اقدس سے حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ حطیم میں تین شخص عقبہ بن ابی معیط، ابوجہل بن ہشام اور امیہ بن خلف بیٹھے تھے۔ جب سرورِ عالم (ﷺ) ان کے برابر سے گزرے، تو انہوں نے بعض ناپسندیدہ کلمات کہے۔ میں نے آپ (ﷺ) کے چہرۂ اقدس پر اس کے اثرات دیکھے۔ ان کے یہ کلمات سن کر میں بھی آپ کے قریب ہو گیا، حتیٰ کہ آپ میرے اور

حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کے درمیان ہو گئے اور آپ نے اپنی انگلیاں میری انگلیوں میں دے دیں اور ہم نے اس طرح مل کر طواف کیا۔ جب سرورِ عالم (ﷺ) ان کے برابر سے دوبارہ گزرے، تو ابو جہل بولا، بخدا! ہم آپ کے ساتھ اس وقت صلح نہیں کریں گے، جب تک سمندر خشک نہ ہو جائیں اور روئی کے ٹکڑے کو بھی تر کرنے سے عاجز و بے بس نہ ہو جائیں اور ہم کیسے صلح کر سکتے ہیں، جب کہ تم ہمارے آباو اجداد کے معبودوں سے ہمیں دور کرتے اور ان کی پرستش سے منع کرتے ہو؟''.....
رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، آپ (ﷺ) نے فرمایا ''میں ہوں تو وہی!'' اور پھر سے طواف میں مشغول ہو گئے۔

جب تیسرے چکر میں ان کے قریب سے پھر گزرے، تو انہوں نے پھر اسی طرح کہا، حتی کہ چوتھے چکر میں وہ سب اٹھ کر آپ سے الجھ پڑے اور ابو جہل جھپٹ کر آپ کی چادر مبارک کے دونوں کنارے سینہ مبارک کے سامنے سے پکڑنا چاہتا تھا ، یہ دیکھ کر میں نے اسے زور سے دھکا دیا، تو وہ سرین کے بل جا گرا اور حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے امیہ بن خلف کو دھکیل کر پیچھے ہٹا دیا اور نبی اکرم (ﷺ) نے عقبہ بن ابی معیط کو مار بھگایا۔ آپ ابھی وہیں کھڑے تھے اور وہ ذلیل و رسوا ہو کر حرم پاک سے نکل رہے تھے، تو رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا، ''بخدا! تم باز نہیں آؤ گے، جب تک کہ عذابِ باری تعالیٰ فوری طور پر تمہیں اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔''

حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا، جو سرکارِ مدینہ (ﷺ) کا یہ ارشادِ حق سن کر مرعوب نہ ہوا ہو اور لرزنے کانپنے نہ لگا ہو۔ آپ نے فرمایا، ''تم اپنے نبی کے حق میں بہت بری قوم ہو (کہ اطاعت کی

بجائے مخالفت و مخاصمت سے کام لیتے ہو)۔"

پھر سید الانبیاء (ﷺ) اپنے کاشانہ اقدس کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ جب آپ اپنے دروازے کی دہلیز پر پہنچے، تو ٹھہر گئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، "تمہارے لئے مژدہ اور خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ اپنے دین کو بہر حال ظاہر و غالب فرمائے گا، اپنے کلمۂ حق کو مکمل فرمائے گا اور اپنے نبی کی نصرت و امداد فرمائے گا، یہ کفار و مشرکین جن کو تم نے (ابھی بے ادبی کرتے ہوئے) دیکھا، اللہ تعالیٰ انہیں، بہت جلد تمہارے ہی ہاتھوں سے ذبح کروائے گا۔"

پھر ہم اپنے گھروں کی طرف چل دیئے۔ بخدا میں نے ان کفار کو (رسول اللہ (ﷺ) کے فرمان کے مطابق) دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے ہاتھوں (بدر میں) ذبح کرایا۔

تبصرہ:۔

جیسا کہ واضح ہوا کہ یہ قافلہ، عبادتِ الٰہی بجالانے کی غرض سے تھا، لیکن غور کیا جائے، تو دراصل اللہ رب العزت نے اپنے محبوب (ﷺ) کی عظمت اور ان کو عطا فرمائے جانے والے وسیع علم غیب کو آشکارا کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔

اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رحمت للعلمین (ﷺ) کی تکالیف کو یاد کر کے اشک باری کرنا صحابہ کرام (ﷺ) کی سنتِ کریمہ ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی مقام و مرتبہ حاصل کرنے اور دین کی خدمتِ مسلسل کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اب اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی آزمائش میں مبتلاء نہ کیا جائے گا، بلکہ

سید الکونین (ﷺ) کی جانب سے راہِ دین میں برداشت کی جانے والی تکلیفوں کو دیکھ کر یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جتنا مقبول ہوگا، اتنا ہی زیادہ آزمائشوں میں مبتلاء کیا جائے گا۔

چوتھا قافلہ:۔

☆ محمد بن جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) ابوطالب کی وفات کے بعد (دعوتِ اسلام کی غرض سے) طائف کی طرف تشریف لے گئے۔ اعلانِ نبوت کا دسواں سال شروع ہو چکا تھا اور شوال کی صرف چند راتیں باقی تھیں۔ آپ کے ساتھ فقط زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) تھے۔ آپ اپنے قیامِ طائف کے دوران ہر سردار اور کبیر قوم کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے سامنے دین اسلام کی دعوت پیش فرمائی، لیکن کسی نے بھی آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا اور اس سعادت سے بہرہ ور نہ ہوسکے۔ بطورِ عذر اپنی قوم کے نوجوانوں اور بیوقوفوں سے خوف وخطر کا بہانہ بنایا اور آپ سے عرض کیا کہ آپ یہاں قیام نہ کریں، بلکہ کسی دوسری پسندیدہ جگہ جا کر ٹھکانہ بنائیں۔

جب رسول اکرم (ﷺ) وہاں سے نکلنے لگے، تو انہوں نے اپنے احمق اور کم عقل لڑکوں کو آپ کے خلاف اکسادیا۔ چنانچہ ان ظالموں نے آپ کو پتھر مارنا شروع کر دیئے، حتی کہ آپ کے قدم مبارک لہولہان ہو گئے۔ حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) اپنی جان کو آپ کے لئے ڈھال بنائے ہوئے تھے، جس سے ان کے سر میں بھی کئی زخم آئے۔

سرورِ عالم (ﷺ) مکہ مکرمہ کی طرف انتہائی غم اور حزن کے ساتھ لوٹے۔

جب وادی نخلہ میں پہنچے، تو رات ہو چکی تھی، چنانچہ وہیں قیام فرمایا۔ رات کو نماز میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے کہ اہلِ نصیبین میں سے سات جن آپ کے پاس آئے اور غور سے کلامِ مجید کو سنا۔ آپ نے چند دن وہاں قیام کرنے کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت زید (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی، ''آپ وہاں کیوں تشریف لے جا رہے ہیں، جبکہ انہی لوگوں نے پہلے آپ کو اس مقام سے نکلنے پر مجبور کیا تھا؟''.... (اس مشورے کو سن کر) آپ نے قبیلہٗ خزاعہ میں سے ایک آدمی، مطعم بن عدی کے پاس بھیجا اور دریافت کیا کہ کیا میں تیری نصرت واعانت پر بھروسہ کرتے ہوئے اور تیری حمایت پر اعتبار کرتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہو سکتا ہوں؟''... اس نے عرض کی ''جی ہاں۔'' تب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

☆ جب سرورِ کائنات (ﷺ) طائف سے واپس تشریف لائے، تو آپ نے اخنس بن قیس کی طرف ایک آدمی اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ کیا تو میری پشت پناہی کرتا ہے، تاکہ میں بے خوف وخطر اپنے ربِ کریم کے احکام کی تبلیغ کرسکوں؟....

اس نے جواباً عرض کی کہ مجھ جیسا کمزور حلیف، تبلیغ اسلام اور دعویٰ رسالت (ﷺ) جیسے بالکل واضح معاملے پر پشت پناہی سے قاصر ہے۔

جواب کی سماعت کے بعد آپ نے اسی ایلچی کو فرمایا کہ سہیل بن عمرو کے پاس جا کر کہو کہ محمد عربی (ﷺ) تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا تو میری حفاظت وحمایت کا دم بھرتا ہے، تاکہ میں بغیر کسی فکر واندیشہ کے فریضہٗ رسالت ادا کر سکوں؟....

اس نے بھی تقریباً وہی جواب دیا اور اس معاملے میں معذرت طلب کی۔ وہ

آدمی واپس حاضر ہوا اور سہیل کا جواب عرض کیا، تو آپ نے فرمایا، اچھا معظم بن عدی کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ محمد (ﷺ) تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا تو تبلیغ رسالت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے سلسلے میں مجھے امداد اور تعاون کی یقین دلاتا ہے، تو اس نے عرض کیا، ''ہاں! ضرور، آپ مکہ مکرمہ میں تشریف لے چلیں۔''

آپ کا آدمی واپس آیا اور مطعم بن عدی کا جواب عرض کیا اور حسبِ وعدہ صبح ہوتے ہی مطعم بن عدی اس کی اولاد اور بھتیجے ہتھیار لے کر پہنچ گئے (اور آپ کی ہمراہی میں مکہ مکرمہ کے اندر داخل ہوئے) مطعم بن عدی مسجد میں داخل ہوا، جب ابو جہل نے اسے دیکھا، تو پوچھا کہ ''کیا تم ان کے دین میں داخل ہو گئے ہو یا محض معاونت اور امداد و نصرت کے لئے ساتھ آئے ہو؟... اس نے کہا، ''ہم صرف ان کی پشت پناہی اور حفاظت و نگرانی کے لئے ساتھ دے رہے ہیں۔'' اس نے کہا، جن کو تم نے پناہ دی ہے ہم بھی ان کو پناہ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ تعرض نہیں کریں گے۔

رسول اللہ (ﷺ) مسجد حرام میں داخل ہوئے، حجر اسود کا استلام کیا، دو رکعت نماز ادا کی اور اپنے دولت کدہ کی طرف تشریف لے گئے۔ جب کہ مطعم بن عدی اور اس کی اولاد آپ کے چاروں طرف حفاظت کے لئے حلقہ بنائے ہوئے تھے۔

محمد بن جبیر بن مطعم بن عدی اپنے باپ جبیر سے راوی ہیں کہ سید عالم (ﷺ) نے میدانِ بدر میں فتح کے بعد فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ میرے پاس آکر ان اسیر کفارِ قریش کے متعلق سفارش کرتا، تو میں ضرور اس کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا۔

تبصرہ:-

ان واقعات سے درس حاصل ہوتا ہے کہ دین کی خدمت میں مصروفِ عمل مسلمان کو، اپنے نبی (ﷺ) کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کبھی بھی وسائل پر نگاہ نہیں رکھنی چاہیئے ، بلکہ ذاتِ باری تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے بظاہر کامیابی کے امکان سے خالی صورتِ حال میں بھی کوشش جاری رکھنی چاہیئے۔

نیز پہلے واقعے کے آخری حصے اور دوسرے پورے واقعے سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ظاہری اسباب کا اختیار کرنا،توکل، کے منافی نہیں۔کیونکہ رحمتِ عالم (ﷺ) نے بعافیت مکہ مکرمہ میں دخول کے لئے وہ طریقہ اختیار فرمایا، جو عربوں میں امن کے حصول کے معروف تھا،لھذا اگر کوئی اپنی حاجات ومشکلات کے لئے حکمت سے کام لیتے ہوئے کوئی تدبیر اختیار کرے،تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

☆اور محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ (ﷺ) طائف تشریف لے گئے،تو ثقیف کے سادات اور رؤساء کی جماعت میں سے ہر ایک پاس گئے ۔ جب وہاں کے تین سردار بھائیوں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب دعوت دی،تو اس کے ساتھ ساتھ یہاں آنے کے ایک اور مقصد یعنی نصرتِ اسلام اور اعداء ومخالفین کے خلاف امداد واعانت کے بارے میں بھی گفتگو فرمائی۔(لیکن ان کے مقدر میں یہ سعادت نہ تھی، چنانچہ) ان میں سے ایک نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے،تو میں کعبہ کے غلاف اور پردے اتار لوں گا اور اس کی بے ادبی کروں گا۔(نعوذ باللہ من ذلک)۔دوسرا بولا،'' کیا اللہ تعالیٰ کو تمہارے سوا

کوئی اور شخص رسالت کے لئے میسر نہیں آسکا تھا؟"...تیسرے نے کہا کہ "میں تو اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا، اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے، تو پھر تمہارا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ میں تمہیں جواب دوں اور رائے زنی کروں اور اگر تم اللہ تعالیٰ پر دعوی اور رسالت میں غلط بیانی سے کام لے رہے ہو، تو پھر بھی میں کلام کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔

جب آپ ثقیف کی جانب سے خیر، بھلائی اور رشد و ہدایت سے ناامید ہو گئے، تو وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنے غلاموں اور اوباشوں کو آپ کے خلاف اکسایا۔ انہوں نے آپ کی شان میں گستاخانہ لب و لہجہ اختیار کیا اور آپ پر آوازیں کسنے لگے، حتیٰ کہ سبھی لوگ وہاں اکٹھے ہو گئے اور آپ کو عتبہ اور شیبہ کے باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ وہ دونوں بھائی اُس وقت باغ میں موجود تھے۔ چنانچہ وہاں پہنچنے کے بعد وہ سارے اوباش اور دوسرے لوگ منتشر ہوئے۔ آپ ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے۔ ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ آپ کو دیکھتے رہے اور جو کچھ آپ کو ثقیف کے نادانوں کی طرف سے تکلیف پہنچی، اسے بھی دیکھا۔

جب آپ کو اطمینان و سکون حاصل ہو گیا، تو آپ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا عرض کی۔ جب عتبہ اور شیبہ نے نبی پاک (ﷺ) کی تکلیف و پریشانی کو دیکھا، تو اپنے نصرانی غلام کو بلایا، جس کو عدرس کہا جاتا تھا اور اسے کہا کہ انگوروں کا ایک گچھا، تھال میں رکھ کر اس شخص کی خدمت میں لے جا کر پیش کر اور عرض کر کہ اسے تناول فرما لیں۔ عدرس نے انگور لئے، تھال میں رکھے اور سرورِ عالم (ﷺ) کی خدمت میں لے گیا۔ جب آپ نے اپنا دستِ اقدس تھال کی طرف بڑھایا کہ انگور کھائیں، تو اولاً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی، پھر انگور کھائے۔ عدرس آپ کے چہرہ انور کی طرف دیکھنے لگا اور عرض کیا کہ بخدا! اس شہر والے تو یہ کلام زبان پر نہیں لاتے۔ آپ (ﷺ) نے دریافت فرمایا کہ تم کس شہر سے تعلق رکھتے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟.... اس نے عرض کیا، ''میں نصرانی ہوں اور اہل نینوا سے ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے حضرت یونس (علیہ السلام) کے شہر سے؟... اس نے حیرت سے پوچھا کہ آپ حضرت یونس (علیہ السلام) کے بارے میں کیسے جانتے ہیں؟... آپ نے فرمایا، ''وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔'' عدرس نے جونہی آپ کا جواب سنا، تو ادب و نیاز سے جھک کر آپ کے سر اقدس کو بوسہ دیا، پھر دستِ اقدس چومے اور بعد ازاں قدموں کو بوسہ دیا۔ دونوں بھائی یہ منظر بھی دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ''اس شخص نے تیرے غلام کو اب تیرے کام کا نہیں چھوڑا۔'' جب عدرس ان کے پاس پہنچا، تو انہوں نے کہا، تیرے لئے افسوس ہے، تجھے کیا ہو گیا کہ تو اس شخص کے سر کو چومنے لگ گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں کے بوسے لینے لگا؟.... غلام نے جواب دیا، ''اے میرے سردار! اس ہستی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شخص نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے ایک ایسے امر کی خبر دی ہے کہ جسے صرف نبی ہی جانتا ہے۔

تبصرہ:۔

اس قافلے کا مقصد بھی قطعاً مخفی نہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کئے جانے کے ساتھ ساتھ اچھی طرح ذہن نشین بھی کر لیا جائے کہ مشیتِ الٰہی

یہی ہے کہ انسان اپنی ذاتی کوشش کو بروئے کار لاتے ہوئے، تبلیغِ دین کا فریضہ سرانجام دے اور بارگاہِ الٰہی سے مزید انعامات اور درجات کی بلندی کا تحفہ حاصل کرتا رہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تبلیغ دین کے سلسلے میں ان ظاہری اسباب کا محتاج نہیں۔ کیونکہ جس طرح اس نے باغ والے دونوں بھائیوں کے قلوب میں اپنے حبیب (ﷺ) کی محبت پیدا فرمائی، اسی طرح طائف کے تمام سرداروں کے دلوں میں پیدا کر دینا بھی، اس کے لئے قطعی مشکل نہ تھا۔

پانچواں قافلہ:۔

معراج کے سلسلے میں تھا۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ مالک ابن صعصعہ (رضی اللہ عنہ) نے نبی اکرم (ﷺ) سے شبِ معراج کا واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ سرورِ انبیاء (ﷺ) نے فرمایا، اس وقت جب میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا، تو میرے پاس ایک آنے والا آیا، جو اپنے ساتھ والے کو کہہ رہا تھا، "یہ ہیں وہ شخص جو دو آدمیوں میں لیٹے ہوئے ہیں۔" پھر وہ میرے پاس آئے اور میرے سینہ اقدس کو یہاں سے وہاں تک چیرا۔"

حضرت قتادہ (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے جارود سے کہا، جو کہ میرے پہلو میں بیٹھے تھے، اس سے مراد کیا ہے؟.... تو انہوں نے کہا، سینے کے آخری کنارے سے ناف تک اور میں نے ان کو یہ بھی کہتے سنا، سینے کے کنارے سے زیر ناف بالوں تک۔

(پھر ارشاد فرمایا) اور میرے دل کو باہر نکال لیا۔ پھر ایمان و حکمت سے بھرا ہوا سونے کا ایک تھال میرے پاس لایا گیا، میرے دل کو دھونے کے بعد ایمان

وحکمت سے بھرا گیا، پھر اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا۔ بعدازاں میرے پاس ایک سفید رنگ کی سواری لائی گئی، جو قدوقامت میں خچر سے کم اور گدھے سے بلند تھی۔ جارزود نے دریافت کیا اے ابوحمزہ! کیا وہ براق تھا؟.... انہوں نے کہا، "ہاں!" وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی تھی۔

پھر مجھے اس پر سوار کیا گیا اور جبرائیل (علیہ السلام) مجھے ہمراہ لے کر چلے۔ حتی کہ ہم پہلے آسمان تک پہنچے۔ حضرت جبرئیل نے دروازہ بجایا، پوچھا گیا کون؟... انہوں نے کہا، جبرائیل۔ پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟... کہا، رسول اللہ محمد (علیہ وسلم)۔" پوچھا، کیا انہیں بلایا گیا ہے؟... کہا، ہاں!" اس نے کہا، اس عزیز مہمان کے لئے مرحبا اور ان کا تشریف لانا بہت مبارک ہے۔"

پھر دروازہ کھولا، میں اندر داخل ہوا، تو حضرت آدم (علیہ السلام) تشریف فرما تھے۔ جبرائیل امین (علیہ السلام) نے کہا، یہ حضرت آدم (علیہ السلام) ہیں، انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔

پھر ہم دوسرے آسمان تک پہنچے، تو دروازہ کھلوانے پر حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو موجود پایا اور وہ خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبرائیل امین (علیہ السلام) نے کہا، یہ حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں، ان کو سلام کیجئے۔ میں نے انہیں بھی سلام کیا۔

پھر ہم تیسرے آسمان تک پہنچے، تو دروازہ کھلوانے پر حضرت یوسف (علیہ السلام) کو موجود پایا۔ جبرائیل امین (علیہ السلام) نے کہا، یہ حضرت یوسف (علیہ السلام) ہیں، ان کو سلام کیجئے۔ میں نے انہیں بھی سلام کیا۔

پھر ہم چوتھے آسمان تک پہنچے، تو دروازہ کھلوانے پر حضرت ادریس (علیہ السلام) کو موجود پایا۔ جبرائیل امین (علیہ السلام) نے کہا، یہ حضرت ادریس (علیہ السلام) ہیں، ان کو سلام کیجئے۔ میں نے انہیں بھی سلام کیا۔

پھر ہم پانچویں آسمان تک پہنچے، تو دروازہ کھلوانے پر حضرت ہارون (علیہ السلام) کو موجود پایا۔ جبرائیل امین (علیہ السلام) نے کہا، یہ حضرت ہارون (علیہ السلام) ہیں، ان کو سلام کیجئے۔ میں نے انہیں بھی سلام کیا۔

پھر ہم چھٹے آسمان تک پہنچے، تو دروازہ کھلوانے پر موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) کو موجود پایا۔ جبرائیل امین (علیہ السلام) نے کہا، یہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ہیں، ان کو سلام کیجئے۔ میں نے انہیں بھی سلام کیا۔

جب میں وہاں سے آگے گزرا، تو موسیٰ (علیہ السلام) رو دیئے۔ ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا، تو جواباً فرمایا، یہ نوجوان اور جواں ہمت نبی ہیں، جو مبعوث تو میرے بعد ہوئے، مگر ان کی امت میں سے جو افراد جنت میں داخل ہونگے، وہ ان لوگوں کی بنسبت بہت زیادہ ہیں، جو میری امت میں سے داخل ہوں گے۔

پھر ہم ساتویں آسمان تک پہنچے، تو دروازہ کھلوانے پر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو موجود پایا۔ جبرائیل امین (علیہ السلام) نے کہا، یہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ہیں، ان کو سلام کیجئے۔ میں نے انہیں بھی سلام کیا۔

پھر ہم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے۔ وہاں مجھ پر منکشف ہوا کہ اس کا پھل ہجر کے بڑے مٹکوں کی طرح تھا اور اس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں کی مانند۔ جبرائیل امین نے کہا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ چار نہریں ہیں دو باطنی اور

دوظاہری، جوسدرۃ کے نیچے سے جاری تھیں۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ نہریں کیسی ہیں؟... انہوں نے کہا کہ جو باطنی نہریں ہیں، وہ جنت کی ہیں اور جو دوظاہر ہیں تو یہ نیل وفرات ہیں۔ پھر بیت معمور کو میرے سامنے لایا گیا۔

(حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ) کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے ناقل ہیں کہ) نبی اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ میں نے بیت معمور کو دیکھا جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے تھے اور جو ایک بار اس سعادت سے بہرہ ور ہو جائے پھر دوبارہ اس کی باری نہیں آتی۔

پھر میرے پاس ایک برتن شراب کا اور دوسرا دودھ کا پیش کیا گیا (اور عرض کی گئی، جو چاہے پسند کر لیجئے) میں نے دودھ والا پسند کیا، تو جبرائیل امین (علیہ السلام) نے کہا کہ یہ فطرت ہے۔ آپ اور آپ کی امت ہمیشہ اس پر قائم ودائم رہیں گے۔ پھر مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ میں واپس ہوا، تو موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) پر سے گزر ہوا، تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کو کس چیز کا حکم دیا گیا ہے؟.... میں نے کہا، ہر دن میں پچاس نمازیں پڑھنے کا۔ انہوں نے کہا، "آپ کی امت پچاس نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے اور بنی اسرائیل کے ساتھ سخت محنت ومشقت سے دوچار ہوا، آپ اپنے رب کی بارگاہ میں دوبارہ حاضری دیجئے اور اپنی امت کے لئے تخفیف کا مطالبہ کریں۔"

میں نے بارگاہِ خداوندی میں تخفیف کا مطالبہ کیا، تو اس نے دس نمازیں معاف فرمادیں۔ میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا، تو انہوں نے دریافت کیا، کیا حکم ہوا؟... میں نے جواب میں کہا کہ ہر دن میں چالیس نمازیں پڑھنے کا۔ انہوں نے کہا

کہ آپ کی امت ہر دن چالیس نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی، میں نے آپ سے پہلے اچھی طرح لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کے ساتھ بڑی جدوجہد کی، بارگاہِ خداوندی میں حاضری دے کر تخفیف کے لئے عرض کیجئے۔

میں اسی طرح تخفیف و کمی کی غرض سے بار بار حاضر ہوتا رہا اور اللہ تبارک وتعالیٰ میری درخواست پر کمی فرماتا رہا حتی کہ صرف پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔ جن انہیں لے کر واپس ہوا، تو حسبِ سابق موسیٰ (علیہ السلام) نے ان میں مزید تخفیف کا مشورہ دیا۔

میں نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اتنی بار تخفیف کا مطالبہ کیا ہے کہ اب مجھے یہ سوال والتجاء کرنے سے شرم وحیاء آتی ہے۔ میں اب تسلیم ورضا سے کام لیتا ہوں۔ جب میں آگے گزرا، تو اللہ عزّوجل کی طرف سے ایک نداء دینے والے نے نداء دی، ''میں نے اپنے فریضہ کو نافذ کر دیا ہے اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی ہے یعنی ادائیگی کے لحاظ سے، تو یہ پانچ ہیں، لیکن اجر وثواب کے لحاظ سے پچاس۔

تبصرہ:۔

سفر معراج، رحمتِ کونین کو عطا کردہ معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے۔ چونکہ معجزہ کا لغوی معنی ہی ''عاجز کر دینے والا'' ہے، لھذا یہ سفر بھی عقول کی حدود سے باہر نظر آتا ہے۔ بہر حال اس سفر میں رحمتِ عالم (ﷺ) کی عظمت کے اظہار کے ہزار ہا پہلو نمایاں ہیں۔ کیونکہ حضرت جبرئیل کا حاضر خدمت ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چلنے کی درخواست کرنا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے دعوت کا بھیجا جانا، جنت کے

خصوصی جانور کو بطورِ سواری پیش کیا جانا، آپ کا بیت المقدس میں تمام انبیاء علیھم السلام کی امامت کرنا، تمام آسمانوں پر انبیاء علیھم السلام سے ملاقات کرنا اور ان سب سے مراتب میں آگے بڑھ جانا اور پھر سدرۃ المنتھی پر حضرت جبرئیل کا ٹھہر جانا اور آپ کا آگے بڑھ جانا اور سب سے بڑھ کر اپنی چشمان ظاہری سے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی سعادت حاصل کرنا، سب کا سب امور، اسی مقصد کی جانب واضح اشارہ کررہے ہیں۔

(4) اعلان نبوت کے بعد اور ہجرت سے قبل ایسے قافلے جن میں آپ نے بذاتِ خود شرکت نہ فرمائی:۔

پہلا قافلہ:۔

اکثم صیفی کے ایلچیوں کو پیغام اسلام دے کر واپس روانہ فرمانے کے سلسلے میں تھا۔ چنانچہ ابن عمیر سے مروی ہے کہ اکثم بن صیفی کو نبی اکرم (ﷺ) کے ظہور کی اطلاع پہنچی، تو اس نے خود رسول اللہ (ﷺ) کی بارگاہ میں حاضری کا ارادہ کیا، لیکن اس کی قوم نے رکاوٹ ڈالی۔ اس پر اس نے کہا، ''کون شخص ہے، جو میری عرض ان کی بارگاہ میں پیش کرے اور ان کا فرمان مجھ تک پہنچائے؟''... دو آدمیوں نے اس کی آواز پر لبیک کہا اور بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ''ہم اکثم کے ایلچی ہیں، وہ آپ کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہے کہ آپ کس نسب سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کا دعویٰ کیا ہے اور آپ کی دعوت کیا ہے؟...

نبی اکرم (ﷺ) نے فرمایا، ''میں محمد بن عبداللہ (ابن عبدالمطلب بن ہاشم بن

عبد مناف ہوں) اور میرا دعویٰ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا عبد خاص اور اس کا رسول و نبی ہوں اور میری دعوت ہے "اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۔ بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتے داروں کے دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے۔

(ترجمہ کنزالایمان۔ پ۱۴۔ النحل ۹۰)

انہوں نے عرض کی، "ذرا یہ کلمات دہرائیں تاکہ ہمیں اچھی طرح یاد ہو جائیں۔"..... آپ نے دوبارہ بیان کر کے انہیں یاد کرا دیا۔

وہ یہاں سے برکات حاصل کر کے، اکثم کے پاس پہنچے اور اس سے کہا، "ہم نے ان کی نسبت کے متعلق دریافت کیا ہے، وہ بہترین نسب کے مالک ہیں اور انہوں نے ہمیں چند کلمات بتائے ہیں (جو ہم تمہیں سنا دیتے ہیں)۔"

جب اکثم نے ان کی زبانی وہ کلماتِ طیبات سنے، تو فوراً بولا، اے میری قوم! میں تو یہی سمجھتا اور اعتقاد رکھتا ہوں کہ وہ بلند ترین اور اعلیٰ اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور برے اخلاق اور قابلِ ملامت اعمال سے منع کرتے ہیں۔ لہٰذا تم (ان پر ایمان لا کر) دوسرے لوگوں سے سبقت لے جاؤ اور رؤساء اہل اسلام بنو، نہ کہ گناہ گار اور کافر اور پہلے مؤمن بنو نہ کہ آخری۔" پھر بولا، "درد و رنج سے خالی لوگوں کی طرف سے مبتلائے رنج والم لوگوں پر ہمیشہ طعن و تشنیع اور زجر و ملامت ہوتی ہے (یعنی دوسروں کو کیا خبر کہ بارگاہ مصطفیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے دوری مجھ کو کس قدر ناگوار ہے اور میرے لئے سوہانِ روح ہے) اور

اے میرے نفس وروح کی حسرت اور ارمان! ایسے امر پر جس کو میں نہ پاسکا اور نہ ابھی میرے ہاتھ سے فوت اور ضائع ہوا (بلکہ کوشش کروں تو ہوسکتا ہے کہ بخت مدد کرے اور نصیبہ جاگ اٹھے) اے میرے نفس! مجھے تجھ پر افسوس نہیں ہے، بلکہ ان عام لوگوں پر افسوس ہے (کہ وہ کیوں اس سعادت سے بہرہ ور نہیں ہو رہے) مگر اس قدر افسوس کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب حق ثابت وقائم ہو جاتا ہے تو باطل خود بخود راہِ فرار اختیار کر لیتا ہے (لہذا اسلام غالب آکر رہے گا اور کفر وضلالت کی گھٹائیں چھٹ جائیں گی۔)

حضرت اکثم (رضی اللہ عنہ) کی پر اثر دعوت پر تقریباً سو اشخاص نے لبیک کہا اور ان کی اتباع میں بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں حاضری کی غرض سے روانہ ہو گئے۔ ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ حبیش نامی ایک بدبخت شخص نے (موقع پا کر) سب کی سواریوں کو ذبح کر دیا اور پانی وغیرہ کے مشکیزے پھاڑ ڈالے اور بھاگ گیا۔ حضرت اکثم (رضی اللہ عنہ) کو شدید پیاس نے اپنے گھیرے میں لے لیا، حتی کہ آپ نے اسی حالت میں اپنی جان' جانِ آفریں کے سپرد کر دی، لیکن وفات سے قبل، اپنے دیگر تمام ساتھیوں کو سرورِ عالم (ﷺ) کی اتباع کی وصیت فرمائی اور انہیں اپنے اسلام وایمان پر گواہ بنایا۔

اللہ تبارک وتعالی نے انہیں کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی،''

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۔ یعنی جو اپنے گھر سے نکلا اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو

گیا۔(ترجمہ کنز الایمان۔پ۵۔النساء ۱۰۰)

تبصرہ:۔

اس واقعے سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے اسلام کی لازوال دولت سے مشرف فرمانا چاہے، بغیر کسی سبب کے عطا فرما سکتا ہے۔اکثم (رضی اللہ عنہ) کے قلب میں اپنے رسول اور اسلام کا محبت ڈالنا یقیناً فقط من جناب اللہ تھا، پھر انہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب ہجرت کی توفیق عطا فرمانا، پھر راہِ دین میں انتقال کی سعادت دینا اوران کرم نوازیوں کے بعد ان کی مدح میں آیتِ کریمہ بھی نازل فرما دینا، اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کا اظہار ہے۔

دوسرا قافلہ:۔

یہ قافلہ ان اصحاب پر مشتمل تھا، جو آپ کے حکم پر جانبِ حبشہ روانہ ہوئے تھے۔چنانچہ مروی ہے کہ سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو حکم ارشاد فرمایا کہ حبشہ کا بادشاہ ایسا عادل ہے کہ اس کے علاقہ میں کسی شخص پر ظلم نہیں کیا جاتا، لہذا تم اس کے ہاں چلے جاؤ اور اپنے آپ کو کفار و مشرکین کے ظلم و عدوان سے محفوظ کرلو، حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ان شدائد و مصائب سے چھٹکارا نصیب فرمائے۔

آپ کے اس حکم پر ایک جماعت جانبِ حبشہ روانہ ہوگئی، جن میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں ۔ یہ اعلانِ نبوت کے پانچویں سال، ماہِ رجب میں ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تھے۔قریش نے ان کا تعاقب کیا، مگر ناکام رہے۔دوسرے حضرات

وہیں رہے، البتہ اپنے اسلام وایمان کا اعلان واظہار نہیں کرتے تھے۔

تبصرہ:۔

جیسا کہ واضح ہے کہ یہ قافلہ دین کی سربلندی اور رضائے الٰہی کی غرض سے روانہ ہوا تھا۔ اپنے گھربار، رشتہ داروں اور ان مقامات کو ترک کرنا، جن سے بہت پرانی یادیں وابستہ ہوں، قلب پر کتنا گراں گزرتا ہے، اس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے، جسے اس قسم کی صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا ہو۔ اگر آپ کسی گھر میں چند سال گزاریں، وہاں کے ماحول، محلے اور دیگر چیزوں سے گہری انسیت پیدا ہو جائے اور پھر اچانک وہاں سے شفٹ ہو کر کہیں اور جانا پڑ جائے، تب ان کیفیات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور کیا جاسکتا ہے۔

اولاً رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبتِ بے عیب اور پھر راہِ دین میں اخلاص کے ساتھ دی جانے والی ان قربانیوں کی برکت سے، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے وہ مراتب حاصل کیے کہ بعد میں آنے والے جن کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔

تیسرا قافلہ:۔

یہ بھی رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم پر حبشہ کی جانب روانہ ہوا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نجاشی کے پاس بھیجا، اس وقت ہم تقریباً اسی (80) آدمی تھے۔ ادھر قریش نے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کو عظیم ہدیہ دے کر بھیجا۔ جب وہ نجاشی کے دربار میں داخل ہوئے، تو انہوں نے سجدہ تعظیم وتحیت ادا کیا اور کہا، اے نجاشی! ہمارے چچا زاد

بھائیوں میں سے ایک جماعت تمہارے علاقہ میں آ کر قیام پذیر ہوگئی ہے، جنہوں نے ہم سے اور ہماری ملت سے اعراض وروگردانی کر رکھی ہے۔"

اس نے پوچھا "وہ لوگ کہاں ہیں؟..." ان دونوں نے کہا، تمہارے ہی علاقے میں ہیں۔" نجاشی نے ہماری طرف دربار میں بلانے کی غرض سے ایک آدمی بھیجا۔ حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں تمہاری طرف سے کلام کروں گا، تم سب خاموش رہنا۔"

چنانچہ ہم جعفر (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے ہو لئے اور دربار میں داخل ہوئے۔ حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) نے رسمِ دربار کے مطابق سجدہ کئے بغیر، محض زبانی سلام پر اکتفاء کیا۔ وہاں موجود لوگوں نے کہا، تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟... آپ نے فرمایا، "ہم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس رسولِ مقبول (ﷺ) کو مبعوث فرمایا ہے، جس نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے شایان شان، کسی اور کو ہرگز سجدہ نہ کرو اور ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا بھی حکم ارشاد فرمایا ہے۔"

عمرو بن عاص نے یہ بات سن کر فوراً نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ عیسیٰ (علیہ السلام) کے معاملے میں بھی تمہارے عقیدے کے مخالف ہیں۔" اس نے دریافت کیا، "عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی والدہ ماجدہ کے متعلق تمہارا عقیدہ ونظریہ کیا ہے؟"

آپ نے کہا "وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کلمۃ اللہ ہیں یعنی کلمہ کن سے پیدا ہونے والے اور مقدس روح، جن کو حضرت مریم (رضی اللہ عنہا) کی طرف القاء کیا گیا۔ وہ کنواری تھیں، جن کو کسی بشر نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی مرد نے زوجہ بنایا۔"

یہ جواب سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا، اے اہل حبشہ کی جماعت اور علماء وعباد کے گروہ! تم اس پر اس تنکے کے مانند بھی کسی امر کا اضافہ نہیں کر سکتے، جو کچھ انہوں نے حضرت مسیح (علیہ السلام) اور ان کی والدہ ماجدہ کے متعلق بیان کیا ہے۔''

پھر حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ آپ حضرات کا آنا مبارک ہو۔ ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں اور اس مقدس ہستی کو جن کے پاس سے تم آئے ہو۔ **اشھد انه رسول الله** (میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں) وہی مقدس ہستی ہیں جن حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے بشارت دی تھی اور انجیل میں انہی کا تذکرہ موجود ہے، تم ہمارے علاقے میں جہاں چاہو رہو، تم پر کوئی پابندی نہیں ہے اور بخدا!! اگر ملک وسلطنت کے امور میں مصروفیت ومشغولیت نہ ہوتی، تو میں ضرور خود ان کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتا اور ان کی نعلین شریفین اٹھانے کا شرف حاصل کرتا۔''

پھر اس نے کفارِ قریش کے ہدیے اور تحفے قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے، انہیں واپس لوٹا دیا۔

تبصرہ:۔

یہاں بھی سابقہ واقعے کی مثل اصحابِ رسول (رضی اللہ عنہم) کی روحانی قربانی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے دین اسلام کے فروغ کے لئے غیبی امداد کا مظاہرہ بآسانی محسوس جا سکتا ہے۔

نیز اس واقعے سے اس امر کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا۔ ہے کہ بسا اوقات قرب

کے باوجود منزل سے دوری رہتی ہے، جیسے ابوجہل وابولہب اور بعض اوقات دور رہ کر بھی فلاح وکامرانی حاصل ہو جاتی ہے، جیسے نجاشی (رضی اللہ عنہ)۔

نیز اس سے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا انجام کی پرواہ کیے بغیر حق بات کہنے کی عادتِ حسنہ بھی معلوم ہوئی اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ملنے والا انعام بھی قطعاً مخفی نہیں۔

چوتھا قافلہ:۔

یہ قافلہ فقط ایک فرد پر مشتمل تھا اور تبلیغ دین کی غرض سے روانہ فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ محمد بن اسحاق (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) اپنی قوم سے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں برداشت کرنے کے باوجود نصیحت وہمدردی کی ہر ممکن کوشش فرماتے اور ان کو ہلاکت و بربادی سے محفوظ رکھنے کی خاطر، فلاح ونجات کی طرف دعوت دیتے۔

ادھر قریش جب اللہ تعالیٰ کی حفاظت وحراست کی وجہ سے رسول اللہ (ﷺ) کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے، تو لوگوں کو آپ سے دور رکھنے کی کوشش کرنے لگے اور عربوں کو آپ سے دور رکھنے کی ناکام کوشش کرتے۔

طفیل بن عمرو دوسی (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ (ایمان لانے سے قبل) میں مکہ مکرمہ میں حاضر ہوا، اس وقت، سرورِ عالم (ﷺ) وہیں پر موجود تھے۔ چونکہ طفیل بن عمرو، رئیس اور سردار بھی تھے اور صاحب فہم وفراست شاعر بھی، چنانچہ آپ کی آمد پر قریش، دوڑے ہوئے ان کے پاس آئے اور کہا کہ

"تم یہاں آئے ہو اور ہمارے پاس موجود اس شخص نے ہمیں بڑی مشکل

میں ڈال رکھا ہے۔اس نے ہماری جماعت کو بکھیر کر رکھ دیا ہے، اس کی گفتگو سحر کی مانند ہے، جس کو سننے کی وجہ سے باپ اور بیٹے میں جدائی واقع ہوتی ہے، بھائی بھائی سے دور ہو جاتا ہے اور میاں بیوی ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ ہمیں خطرہ ہے کہ جس مشکل سے ہم دوچار ہیں، کہیں تم اور تمہاری قوم بھی اس مصیبت کا شکار نہ ہو جاؤ، لہذا تم اس سے کلام مت کرنا اور نہ ہی اس کی بات سننا۔"

طفیل بن عمرو فرماتے ہیں کہ کفار مجھے اسی طرح مسلسل نصیحتیں کرتے رہے، حتی کہ میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ نہ اس دعوائے رسالت کرنے والے کی بات سنوں گا اور نہ ان سے کسی قسم کا کلام کروں گا۔

چنانچہ جب صبح کے وقت، میں مسجدِ حرام میں گیا، تو میں نے اپنے کانوں میں روئی دے لی، تا کہ ان کی آواز مجھ تک نہ پہنچنے پائے۔ جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ (ﷺ) کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز ادا فرما رہے تھے۔ میں بھی آپ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ میرے نہ چاہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کا کلام سنا ہی دیا۔ سن کر مجھے معلوم ہوا کہ آپ کا کلام تو بے حد حسین ہے۔ میں نے دل ہی دل میں کہا، مجھے میری ماں روئے! واللہ! میں عقل رکھتا ہوں اور فن شعر و شاعری میں مہارت بھی، مجھ پر کسی کلام کا حسن و قبح مخفی نہیں رہ سکتا، میرے لئے اس میں رکاوٹ کی کونسی بات ہے کہ ان کے کلام کو سنوں، اگر اچھا ہو، تو قبول کرلوں اور اگر اس کے برعکس ہو تو چھوڑ دوں اور نظر انداز کر دوں۔"

فرماتے ہیں کہ میں وہیں ٹھہرا رہا، یہاں کہ آپ (ﷺ) اپنے گھر کی

طرف روانہ ہوئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل دیا، پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی ''اے محمد (ﷺ)! آپ کی قوم نے مجھے آپ کے بارے میں یہ کچھ کہا تھا اور بخدا! وہ مجھے آپ کے متعلق اتنا ڈراتے رہے کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ڈال لی تھی کہ آپ کی آواز نہ سن سکوں، مگر اللہ تعالی نے مجھے آپ کا کلام سنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ میں نے انتہائی حسین اور پاکیزہ کلام کو سنا۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اپنا دعوی اور اپنی دعوت مجھے بتائیں اور اپنا کلام سنائیں۔

رسول اللہ (ﷺ) نے مجھ پر اسلام کی دعوت پیش فرمائی اور قرآن پاک کی تلاوت کی۔ بخدا! میں نے قرآن سے زیادہ کوئی حسین کلام نہیں سنا تھا اور نہ ہی اسلام سے بڑھ کر کوئی عادلانہ نظام میری نظر سے گزرا تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور حق کی گواہی دی اور بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں عرض کی ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں اپنی قوم کا رئیس اور سردار ہوں، میں واپس جا کر انہیں بھی دعوتِ اسلام دوں گا، آپ اللہ تعالی سے دعا کریں کہ وہ میرے لئے ایسی علامت اور نشانی قائم فرمائے، جو میرے لئے اس دعوتِ اسلام اور رشد وہدایت میں معاون ثابت ہو۔'' میری اس درخواست پر نبی اکرم (ﷺ) نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کرتے ہوئے فرمایا، ''اللھم اجعل لہ آیۃ ۔اے اللہ! اس کے لئے کوئی نشانی قائم فرما دے۔''

فرماتے ہیں، ''جب میں اپنی قوم کی طرف نکلا، تو ابھی اس گھاٹی تک پہنچنے ہی پایا تھا، جس سے میں اپنے شہر کو دیکھ سکتا تھا، تو اچانک میری آنکھوں کے درمیان

چراغ کی مانند ایک نور رونما ہو گیا۔ میں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ ''اے اللہ! اس نور کو میرے چہرے کے علاوہ کسی اور جگہ ظاہر فرما، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میری قوم یہ گمان کرے گی کہ میرے چہرے پر آنے والی تبدیلی، ان کا دین چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔'' میرے دعا کرتے ہی وہ نور، میرے چہرے سے چھڑی کے سرے پر منتقل ہو گیا۔ جب میں گھاٹی سے نیچے اتر رہا تھا، تو میرے شہر والے، میری اس چھڑی کے نور کو اس طرح دیکھ رہے تھے، جیسے فضا میں لٹکا ہوا کوئی چراغ۔ میں چلتے چلتے ان کے قریب جا پہنچا۔ صبح ہوئی، تو میرا عمر رسیدہ باپ میرے پاس آیا۔ میں نے کہا ''مجھ سے دور ہو جائیے، اب میرا اور آپ کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔'' اس نے پوچھا ''بیٹے! وہ کیوں؟'' میں نے جواب دیا ''میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میں نے محمد رسول اللہ (ﷺ) کے دستِ اقدس پر اسلام کی بیعت کر لی ہے۔'' انہوں نے کہا، ''اے لختِ جگر! مجھ سے جدا نہ ہو، اب میرا دین وہی ہے، جو تیرا دین ہے۔'' میں نے عرض کی، ''تو پھر جائیے، غسل کیجئے، پاک کپڑے پہنئے اور میرے پاس تشریف لائیے، تاکہ میں آپ کو وہ تعلیم دوں، جو بارگاہِ نبوت (ﷺ) سے مجھے حاصل ہوئی ہے۔'' میرے مطالبے پر وہ فوراً گئے اور غسل کر کے اور پاک کپڑے پہن کر میرے پاس تشریف لے آئے۔ میں نے انہیں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کے بارے میں بتایا، چنانچہ انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

پھر میری بیوی میرے پاس آئی، تو میں نے اس سے کہا، مجھ سے دور ہو جا! اب میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''.....اس نے مجسم سوال بن کر پوچھا، ''میرے ماں باپ آپ پر فداء! آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟''.....میں نے اسے

بھی بتایا کہ اسلام کی وجہ سے ہم دونوں کے درمیان جدائی ہو چکی ہے۔'' یہ سن کر وہ بھی مسلمان ہو گئی۔ پھر میں نے اپنے قبیلے دوس کو اسلام کی دعوت دی، لیکن انہوں نے جواباً سستی و غفلت کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ میں دوبارہ مکہ مکرمہ پہنچا اور بارگاہِ رسالت میں میں حاضر ہو کر عرض کی، ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! دوس مجھ پر غالب آ گئے ہیں، آپ ان کی ہلاکت کے لئے دعا فرمائیں۔'' آپ نے میری درخواست پر یوں دعا فرمائی، **اَللّٰھُمَّ اِھْدِ دَوْساً**۔ یعنی اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت سے سرفراز فرما۔

پھر مجھے حکم دیا کہ اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ، انہیں توحید اور اسلام کی دعوت دو اور ان کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرو۔'' میں واپس آیا اور دوس کے علاقہ میں رہ کر ان کو دعوتِ اسلام دیتا رہا، حتی کہ سرکارِ مدینہ (ﷺ) نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور بدر و احد اور خندق کی جنگیں لڑیں۔ پھر میں نے آپ کی بارگاہ میں اپنی قوم کے مسلم افراد کو ساتھ لے کر حاضر ہوا، اس وقت قبیلۂ دوس کے ستّر یا اسّی گھر میرے ہمراہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے۔ (اور سرورِ عالم (ﷺ) کی دعائے مبارک کی شانِ قبولیت ظاہر ہوئی)۔

تبصرہ:۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ جب کسی کی ہدایت کا وقت آ جائے، تو نہ تو کوئی دوسرا اس میں رکاوٹ ڈال سکتا ہے اور نہ ہی خود ہدایت پانے والا اپنے کسی عمل سے راہ فرار حاصل کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نہ تو کفار کی نصیحتیں کام آئیں اور نہ ہی حضرت طفیل (رضی اللہ عنہ) کا کانوں میں روئی ڈال لینا نفع بخش رہا۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے، تو کسی کو لمحہ بھر میں بھی باکرامت ولی بنا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت طفیل (رضی اللہ عنہ) جیسے ہی مشرف باسلام ہوئے، روشنی کے حصول کی کرامت کا ظہور بھی ہو گیا۔

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سب سے زیادہ اللہ عزوجل، اس کے رسول (ﷺ) اور اسلام سے محبت کیا کرتے تھے۔ ان کی محبت کا معیار رضائے الٰہی کا حصول تھا نہ کہ نفسانی خواہشات، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے والد اور زوجہ کو خود سے دور رکھنے کی سعی فرمائی۔

اور آخری حصے سے یہ بھی پتا چلا کہ رسول اکرم (ﷺ) کا تبلیغ دین کے لئے عملی کوششیں کرنا، فقط تعمیل حکم الٰہی (عزوجل) اور امت کی ترغیب کے لئے تھا، ورنہ آپ کے لئے صرف اتنا بھی کافی تھا، زبان اقدس سے ہدایت کی دعا فرما دیتے۔

پانچواں قافلہ:۔

یہ قافلہ حضرت مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) کی امارت میں "تبلیغ دین اور تعلیم اسلام عام کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ کیا گیا تھا۔

چنانچہ مروی ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) موسمِ حج میں مکہ مکرمہ آنے والے مختلف قبائل کے ہاں یکے بعد دیگرے تشریف لے گئے، جیسا کہ قبل ازیں آپ کا معمول تھا۔ ایک روز آپ عقبہ کے پاس تھے کہ آپ کی ملاقات، قبیلہ خزرج کے ایک گروہ سے ہوئی۔ یہ قبیلے والے اپنے آباؤ اجداد سے سنتے رہے تھے کہ بنی غالب میں سے عنقریب ایک نبی آخر الزمان (ﷺ) کا ظہور ہوگا۔ ابن جمیح کہتے ہیں کہ جب اوس بن حارثہ ابن ثعلبہ ابن عمرو ابن عامر کا وقتِ وفات قریب آیا تو لوگوں نے اسے کہا

''ہم تجھے جوانی میں شادی کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے مگر، تو مانتا نہیں تھا۔ یہ تیرا بھائی خزرج سے ہے، جس کے پانچ بیٹے ہیں اور تیرے لئے سوائے مالک کے اور کوئی بیٹا نہیں ۔ تو اس نے جواباً! کہا کہ ہرگز کوئی بھی مرنے والا نہیں مرے گا اور بے نام ونشان نہیں ہوگا جس نے مالک جیسا فرزند اپنے پیچھے چھوڑا اور پھر چند اشعار کہے، جن کا مفہوم یہ ہے،

''کیا میری قوم کو یہ اطلاع نہیں پہنچی کہ تحقیق! اللہ تعالیٰ کے لئے دعوت ہے جس کے ساتھ سعادت اور صاحب بر واحسان فیض یاب ہوں گے۔

جب مبعوث کئے جائیں، آل غالب میں پیدا ہونے والے مکہ مکرمہ میں زمزم اور حطیم کے درمیان۔

اس وقت اے بنی عامر! ان کی امداد ونصرت کی کوشش کرو، اپنے شہروں اور علاقوں میں بے شک ان کی خدمت اور امداد ہی میں سعادت مندی اور بلند اقبالی ہے۔''

نیز اس گروہ والے یہود سے سنا کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان (ﷺ) کا زمانِ ظہور قریب آچکا ہے۔

رسول اکرم (ﷺ) نے ان سے دریافت فرمایا، ''تم کون ہو؟.... انہوں نے عرض کی ، ہم قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا کچھ دیر بیٹھو گے نہیں، میں تم سے کچھ بات چیت کرنا چاہتا ہوں ۔'' انہوں نے عرض کی ،'' کیوں نہیں !.....

آپ نے انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف دعوت دی اور ان پر دین اسلام

پیش کیا، قرآن مجید فرقانِ حمید کی تلاوت فرمائی۔

جب رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی دعوت مکمل فرمائی، تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو کہا، بخدا! یہ وہی نبی ہیں، جن کے ظہور کی یہود تمہیں خبر دیا کرتے تھے۔اب فوراً ان کی اتباع کا شرف حاصل کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے ایمان واسلام میں سبقت لے جائیں۔''

چنانچہ انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور دولتِ ایمان واسلام سے مالا مال ہوکر اپنے گھروں کی طرف لوٹے۔ یہ گروہ چھ آدمیوں پر مشتمل تھا، جن کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں۔

(۱) اسعد بن زراہ۔(۲) عوف بن عفراء۔(۳) رافع بن مالک۔

(۴) قطبہ بن عامر۔(۵) عقبہ بن عامر۔(۶) جابر بن عبداللہ۔

جب یہ گروہ اپنی قوم کے پاس، مدینہ منورہ تشریف لایا، تو ان کے سامنے بھی رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر کیا اور انہیں دعوتِ اسلام دی، حتیٰ کہ اسلام، پوری قوم کے اندر معروف ومشہور ہوگیا۔

اگلے سال انصار میں سے بارہ افراد مکہ مکرمہ حاضر ہوئے، جنہوں نے مقام عقبہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔حضرت جابر کے علاوہ پانچ تو وہ تھے، جو پچھلے سال شرفِ اسلام حاصل کر چکے تھے۔اور ان کے علاوہ معاذ بن عفراء، ذکوان بن عبدقیس، عبادہ بن صامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ، عویم بن ساعدہ اور ابوالہیثم ابن الیتہان (رضی اللہ عنہم) نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

تبصرہ:۔

اس واقعے سے بہت سے امور کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ مثلاً انسان اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کے بعد، اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں بالکل کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے۔ صرف اس انتظار میں دعوتِ دین کو روکے رکھنا کہ پہلے چند افراد بطورِ مددگار تیار ہو جائیں، اس کے بعد ان کے ساتھ مل کر تبلیغ کی جائے، شدید نقصان کا باعث ہے۔

نیز جب کسی مقام پر کچھ افراد دین اسلام کو قبول کر لیں، تو فقط ان کے قبول اسلام کو ہی سب کچھ نہیں سمجھنا چاہیئے، بلکہ کم از کم ایک ایسا شخص ان کے درمیان ضرور ٹھہرا رہے، جس سے دین کی تعلیمات کا سیکھنا ممکن ہو، ورنہ فقط نام کے مسلمان حاصل ہوں گے، کام کے نہیں۔

نیز تبلیغ دین کے لئے بہت زیادہ علم کے حصول کو معیار بنانا بھی درست نہیں، جیسا کہ بعض اوقات اس قسم کی باتیں کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ پہلے ہم علم حاصل کر لیں، اس کے بعد دین کی دعوت دیں گے۔''

ایسے حضرات کو قبیلہ خزرج کے اس گروہ سے درس ہدایت حاصل کرنا چاہیئے کہ ابھی فقط اسلام قبول ہی کیا ہے، لیکن تبلیغ میں بالکل کوتاہی نہیں، بلکہ جتنا علم حاصل ہو چکا تھا، اسی کو بنیاد بنا کر دعوت کا آغاز کیا اور تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور ان کے اخلاص کی بدولت، اسی بظاہر مختصر سے علم کے ساتھ دی گئی دین کی یہ عظیم دعوت، بے شمار لوگوں کے مسلمان ہونے کا سبب بن گئی اور ان شاء اللہ تا قیامت فیوض و برکات کا سبب بنتی رہے گی۔

دارِندوہ میں جمع ہوئے اور باہم یہ طے پایا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک بہادر اور بہترین نسب والے نوجوان کا انتخاب کیا جائے اور انہیں تیز دھار تلوار دی جائے، پھر یہ سب ایک ساتھ (معاذاللہ) ایک ساتھ حملہ آور ہوں، اس طرح محمد (ﷺ) سے چھٹکارا بھی مل جائے گا اور بنو عبدِ مناف ہر قبیلے کے خلاف کاروائی بھی نہیں کر سکیں گے، لھذا لازماً دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے۔

یہ طے کر کے وہ سب اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے اور رات میں رسول اللہ (ﷺ) کے کاشانہ اقدس کا محاصرہ کر لیا۔

دوسری طرف حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے بحکم الٰہی، رسول اللہ (ﷺ) کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کر دیا اور مشورہ دیا کہ آپ آج اپنی خواب گاہ میں آرام نہ فرمائیں۔

حسبِ مشورہ رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو اپنی جگہ آرام کرنے کی تلقین فرمائی اور خود وہاں سے باہر نکل کر ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور قرآن کریم کے یہ کلمات پڑھ کر ان کی جانب پھینک دی،

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۔ اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے دیوار اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا۔

(ترجمہ کنز الایمان۔ پ ۲۲۔ یٰس .۹)

اس مٹی کی برکت سے وہ سب اندھے ہو گئے، چنانچہ آپ وہاں سے روانہ

(5) اعلان نبوت اور ہجرت کے بعد ایسے قافلے جن میں آپ نے بذاتِ خود شرکت فرمائی۔

پہلا قافلہ:۔

یہ قافلہ سفر ہجرت کے سلسلے میں اور فقط دو نفوس قدسیہ پر مشتمل تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب انصار صحابہ نے رحمتِ عالم (ﷺ) سے بیعت کی سعادت حاصل کی اور واپس مدینہ منورہ روانہ ہوئے، تو کسی طرح قریش کو اس کا علم ہوگیا۔ چنانچہ انہیں گرفتار کرنے کے لئے پیچھے روانہ ہوئے، باقی سب تو نکل گئے لیکن حضرت سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) کو پکڑنے میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن چونکہ آپ قریش کے تاجروں کو عطیات دیا کرتے تھے، لھذا بعد میں ان کو بھی چھوڑ دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ (ﷺ) نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو مدینہ منورہ ہجرت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) گروہ در گروہ جانبِ مدینہ روانہ ہونے لگے۔ لیکن سرورِ عالم خود، اذن خداوندی کے منتظر تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی (رضی اللہ عنہما) اور فقط وہ افراد رہ گئے تھے، جنہیں اہل مکہ نے گرفتار کرلیا تھا۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) جب بھی ہجرت کے بارے میں دریافت کرتے، آپ انہیں فرماتے، جلدی نہ کرو۔"

جب مشرکین کو معلوم ہوا کہ اصحابِ رسول (رضی اللہ عنہم) ایک ایسے مقام پر قیام پزیر ہوچکے ہیں، جہاں ان کے خلاف کاروائی نہیں ہوسکتی، تو انہیں یقین ہوگیا کہ عنقریب رسول اللہ (ﷺ) بھی یہاں سے ہجرت کرجائیں گے۔ چنانچہ یہ سب

دارِندوہ میں جمع ہوئے اور باہم یہ طے پایا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک بہادر اور بہترین نسب والے نوجوان کا انتخاب کیا جائے اور انہیں تیز دھار تلوار دی جائے، پھر یہ سب ایک ساتھ (معاذ اللہ) ایک ساتھ حملہ آور ہوں، اس طرح محمد (ﷺ) سے چھٹکارا بھی مل جائے گا اور بنو عبدِ مناف ہر قبیلے کے خلاف کاروائی بھی نہیں کر سکیں گے، لھذا لازماً دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے۔

یہ طے کر کے وہ سب اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے اور رات میں رسول اللہ (ﷺ) کے کاشانہ اقدس کا محاصرہ کر لیا۔

دوسری طرف حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے بحکم الٰہی، رسول اللہ (ﷺ) کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کر دیا اور مشورہ دیا کہ آپ آج اپنی خواب گاہ میں آرام نہ فرمائیں۔

حسبِ مشورہ رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو اپنی جگہ آرام کرنے کی تلقین فرمائی اور خود وہاں سے باہر نکل کر ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور قرآن کریم کے یہ کلمات پڑھ کر ان کی جانب پھینک دی،

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۔اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے دیوار اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا۔

(ترجمہ کنز الایمان۔ پ۲۲۔ یٰس ۹)

اس مٹی کی برکت سے وہ سب اندھے ہو گئے، چنانچہ آپ وہاں سے روانہ

ہوئے، لیکن کوئی کافر آپ کو نہ دیکھ سکا۔

صبح جب انہیں حقیقتِ حال کا علم ہوا، تو بے حد شرمسار ہوئے اور تعاقب میں روانہ ہو گئے۔

دوسری جانب رسول اللہ (ﷺ)، حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ گھر سے روانہ ہوئے۔ سیدنا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے دو اونٹنیاں پیش کرتے ہوئے عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں نے انہیں ہجرت کی غرض سے ہی پالا تھا، آپ ان میں سے جسے چاہے منتخب فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، ہاں ضرور لوں گا، لیکن مفت نہیں، بلکہ قیمت کے ساتھ۔ پھر یہ دونوں مقدس نفوس روانہ ہوئے، غارِ ثور میں جا کر ٹھہرے اور تین دن تک وہاں قیام فرمایا۔ رات میں سیدنا ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے صاحب زادے عبداللہ بن ابی بکر (رضی اللہ عنہ) کھانا پہنچا دیا کرتے اور دن میں ان کے غلام عامر بن فہیرہ (رضی اللہ عنہ) بکریاں چراتے ہوئے وہاں تک جاتے اور موقع کی مناسبت سے دودھ پیش کر دیتے۔

چوتھے دن یہ دونوں نفوس روانہ ہوئے۔ راستے کی رہنمائی کے لئے ایک کافر کو ساتھ لیا، جو امین اسرار تھا، اس نے سمندر والا راستہ اختیار کیا۔

راستے میں ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کبھی سرکار (ﷺ) کے آگے چلتے، کبھی پیچھے، کبھی دائیں اور کبھی بائیں۔ جب رحمتِ عالم (ﷺ) نے اس کی وجہ دریافت فرمائی، تو عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں جب آگے سے کوئی خطرہ محسوس کرتا ہوں، تو آگے بڑھ جاتا ہوں تاکہ جو نقصان پہنچنا ہو، مجھے پہنچے آپ

اس سے محفوظ رہیں۔ یونہی جب پیچھے یا دائیں بائیں خطرہ محسوس ہوتا ہے، تو ان اطراف میں چلا جاتا ہوں۔

راستے میں سراقہ، رسول اللہ (ﷺ) کو گرفتار کرنے کی نیت سے قریب پہنچ گیا، تب رسول اللہ (ﷺ) نے دعا فرمائی، "**اللھم اکفنا بما شئت** ۔یعنی اے اللہ! جس طرح تو چاہے، ہماری کفایت فرما۔"

جونہی آپ کی زبان حق ترجمان سے یہ الفاظ نکلے سراقہ کے گھوڑے کے چاروں پاؤں سخت پتھریلی زمین میں دھنس گئے۔ وہ گھوڑے سے کود گیا اور سمجھ گیا کہ یہ آفت، رسول اکرم (ﷺ) کی جانب برے ارادے سے بڑھنے کی وجہ سے آئی ہے۔ چنانچہ عرض گزار ہوا کہ مجھے معلوم ہوے کہ مجھ پر یہ مصیبت آپ کی دعا کی وجہ سے ہی آئی ہے۔ آپ میرے لئے پریشانی سے نجات کی دعا فرمائیں، تو وعدہ کرتا ہوں کہ نہ صرف میں واپس لوٹ جاؤں گا، بلکہ اگر کوئی آپ کا پیچھا کر رہا ہوگا، تو اسے بھی باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔"

اس کے وعدے پر سید الکونین (ﷺ) نے اس کے لئے دعا کی، زمین نے فوراً گھوڑے کے پاؤں چھوڑ دئے اور وہ حسبِ وعدہ واپس چلا گیا اور اس طرف آنے والوں کو بھی حیلے کے ذریعے روک دیا۔

دوران سفر رسول اللہ (ﷺ) کا گزر ام معبد خزاعیہ کے خیموں پر سے ہوا۔ آپ ایک بہادر اور مہمان نواز خاتون تھیں اور راہ چلتے مسافروں کو کھانے پینے کا سامان مہیا کرتی تھیں۔ جب یہ قافلہ یہاں پہنچا، تو رسول اللہ (ﷺ) نے ان سے

کھانے پینے کی چیزیں خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا۔اس نے عرض کی یہ قحط سالی کا موسم ہے، فی الحال میرے پاس چیز نہیں، اگر ہوتی، تو میں بچا کر نہ رکھتی، آپ کی خدمت میں پیش کر دیتی۔ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گھر کے کونے میں ایک انتہائی نحیف و نازار بکری دیکھی، فرمایا، یہ کیسی بکری ہے؟...اس نے عرض کی یہ اپنی کمزوری کے باعث دوسری بکریوں کے ساتھ نہ جا سکی تھی۔'' آپ نے فرمایا، اگر تم اجازت دو، تو میں اس کا دودھ نکال لوں؟...اس نے عرض کی، یہ دودھ کیسے دے سکتی ہے، اس کے جسم پر تو گوشت بھی باقی نہیں رہا ہے، بہر حال اگر آپ دودھ نکال سکتے ہیں، تو میری طرف سے منع نہیں۔''

آپ نے بکری کو پکڑا اور اللہ کا نام لے کر اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا، اس نے فوراً جگالی شروع کر دی، پاؤں پھیلا لئے اور دیکھتے دیکھتے اس کے تھن، دودھ سے بھر گئے۔ رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے برتن طلب فرمایا۔ دیا گیا برتن اتنا بڑا تھا کہ اس میں آنے والا دودھ ایک بڑی جماعت کو کفایت کر جائے۔ سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دودھ دوہنا شروع کیا، حتی کہ پورا برتن دودھ سے بھر گیا۔ آپ نے سب سے پہلے ام معبد کو عطا فرمایا، جب وہ سیر ہو گئیں، تو دیگر حاضرین کو عطا کیا، جب سب سیر ہو گئے، تب آپ نے خود نوش فرمایا اور پینے کے بعد اس برتن کو دوبارہ دودھ سے بھرا اور ام معبد کے پاس چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔

جب ام معبد کا شوہر ابو معبد آیا اور اتنے بڑے برتن کو دودھ سے بھرا ہوا پایا، تو بے حد حیران ہوا اور اس کے بارے میں دریافت کیا۔ ام معبد نے پورا واقعہ عرض کیا، شوہر نے کہا ذرا اس عظیم ہستی کا حلیہ تو بیان کرنا۔ ام معبد نے عرض کیا،

''میں نے جس ہستی کا شرفِ دیدار حاصل کیا، ان کی چمک دمک نمایاں تھی۔ چہرہ انور کشادہ اور روشن، جسم کے اعضاء میں مکمل تناسب، نہ پیٹ بڑھ جانے کا عیب لاحق تھا، نہ سر اور گردن چھوٹا ہونے کا نقص۔ وہ انتہائی حسین وجمیل تھے۔ ان کی آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں۔ پلکیں گھنی اور دراز۔ آواز بلند اور گرجدار۔ رنگت سفید، آنکھیں سرمگیں، بھنویں باریک، لمبی اور باہم ملی ہوئیں۔ بال سخت سیاہ، گردن مبارک میں طول اور داڑھی مبارک گھنی تھی۔ جب خاموشی وسکوت اختیار کرتے ،تو شان وقار نمایاں ہوجاتی۔ جب گفتگو کا آغاز فرماتے ،تو سر اقدس اور ہاتھ بلند فرماتے اور چہرۂ انور پر بہار نظر آتی۔ ان کی گفتگو، پروئے ہوئے موتی محسوس ہوتے تھے، جو یکے بعد دیگرے نیچے گر رہے ہوں۔ باتوں میں شہد کی سی مٹھاس تھی۔ کلام مقصد کے مطابق، اپنے موقف پر مکمل دلالت کرنے والا اور بالکل واضح تھا۔ نہ بالکل مختصر، نہ بہت طویل۔ دور سے دیکھا جائے ،تو بلند قامت اور خوبصورت محسوس ہوتے تھے اور قریب سے دیکھیں ،تو سب سے شیریں اور حسین ترین۔ نہ ترشرو اور تیوری چڑھانے والے اور نہ لوگوں کی طرف سے کم عقلی اور ناسمجھی کا طعنہ سہنے والے۔''

جب ام معبد خاموش ہوئیں ،تو انکے شوہر نے بے اختیار کہا، بخدا! یہ وہی قریش کی عداوت ودشمنی کا نشانہ بننے والی ہستی ہیں، کہ جن کا مرتبہ ودرجہ واضح کر دیا گیا ہے۔ اگر میں انہیں پالیتا، تو انہیں اپنے پاس ٹھہرانے کے لئے التماس کرتا۔ مجھے جب بھی موقع ملے گا، ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

جب یہ نفوس قدسیہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے، تو قریش کی طرف سے رسول اللہ (ﷺ) کی گرفتاری پر انعام کے لالچ میں، حضرت بریدہ اسلمی (رضی اللہ

عنہ) بھی اپنے قبیلے کے ستر سواروں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے انہیں دیکھ کر دریافت فرمایا، تم کون ہو؟... عرض کی، بریدہ ہوں۔" فرمایا، ہمارا کام حرارت و گرمی اور شدت و حدت سے محفوظ ہوگیا، بلکہ سرد و خنک ہوگیا ہے۔ [1]

پھر استفسار فرمایا، کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟... عرض کی، اسلم سے۔ فرمایا، اے ابوبکر! ہم سلامتی میں ہیں۔ [2]

پھر پوچھا، قبیلہ سلم کی کس شاخ سے؟.... عرض کی، بنی سہم سے۔" فرمایا، ابوبکر! تمہارا حصہ حاصل ہوگیا۔ [3]

بریدہ اسلمی (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا، آپ کا کیا نام اور تعارف؟... فرمایا، میں محمد بن عبداللہ اور اللہ کا رسول ہوں۔" بریدہ (رضی اللہ عنہ) نے یہ سنتے ہی فرمایا،

اشهدان لااله الاالله واشهدان محمداعبده ورسوله

آپ کے ساتھ ہی قبیلے کے ستر سوار بھی مشرف باسلام ہوگئے۔

تبصرہ:۔

یہ واقعہ بھی دین اسلام کی خاطر روحانی قربانی کی عظیم مثالوں میں سے ایک ہے۔ نیز عظمتِ رسول (ﷺ) کی جانب واضح اشارہ کرنے کے سلسلے میں بھی اسے پیش کیا جاسکتا ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ رحمتِ کونین (ﷺ) جب چاہتے،

---

[1]:۔ دراصل بریدہ، برد بمعنی ٹھنڈک سے بنا ہے، تبھی نیک فال لیتے ہوئے رسول اللہ (ﷺ) نے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے۔ (۱۲ منہ) [2]:۔ اسلم، سلم سے ہے اور سلم کا معنی سلامتی ہے۔ (۱۲ منہ) [3]:۔ سہم کا معنی حصہ ہے۔ (۱۲ منہ)

غیب سے رزق کا سامان کرلیا کرتے تھے۔ نیز اپنے کاموں کے سلسلے میں نیک فال لینا سنتِ سرکار (ﷺ) ہے۔

دوسرا قافلہ:۔

حضرت لیلیٰ بن مرہ ثقفی (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا۔ رسول اللہ (ﷺ) آرام فرمانے لگے۔ جب آپ سو گئے، تو ہم نے دیکھا کہ ایک درخت زمین کو چیرتا ہوا، آپ کے قریب حاضر ہوا، حتیٰ کہ آپ پر جھک کر آپ کو چھپالیا۔ پھر اپنی جگہ لوٹ گیا۔ جب رسول اللہ (ﷺ) بیدار ہوئے، تو آپ سے درخت کی حاضری کا معاملہ عرض کیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، ''اس درخت نے اللہ تعالیٰ سے حاضری کی اجازت طلب کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت مرحمت فرمائی، تاکہ حاضر ہو کر مجھے سلام عرض کرے۔

تبصرہ:۔

یہ واقعہ عظمتِ رسول (ﷺ) کے انکشاف کی غرض سے ظہور پزیر ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ارادۂ ربّ العزت یہی تھا کہ دین اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے محبوب (ﷺ) کی عظمت و رفعت بھی ظاہر ہوتی رہے اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم)، مقام رسول (ﷺ) کی بلندیوں سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔

تیسرا قافلہ:۔

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) مقام

زوراء پر تشریف فرما تھے۔آپ کی خدمت میں پانی کا ایک برتن لایا گیا، اس میں پانی اتنا قلیل تھا کہ آپ کی انگلیاں بھی صحیح طریقے سے نہ ڈوبتی تھیں۔آپ نے اپنا کف دست اس میں رکھا اور فرمایا، اے صحابہ! آؤ اور وضو کرلو۔راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان اور اطراف سے پانی فوارے کی طرح ابل رہا تھا حتی کہ ساری قوم نے وضو کرلیا۔آپ سے عرض کیا گیا، وضو کرنے والوں کی تعداد کتنی تھی؟...فرمایا تین سو۔

تبصرہ:۔

اس سے بھی رسول اللہ (ﷺ) کے اختیارات اور مقام رفعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

چوتھا قافلہ:۔

☆حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ ہم حضور (ﷺ) کے ساتھ تھے۔ہمارے پاس پانی نہ تھا۔آپ نے ارشاد فرمایا، کوئی ایسا شخص تلاش کرو، جس کے پاس کچھ پانی ہو۔ہم نے تلاش کیا اور ملنے پر لاکر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔آپ نے اس پانی کو ایک برتن میں انڈیل کر اپنا دستِ مبارک اس میں رکھا۔ہم نے دیکھا کہ پانی، پانچ چشموں کی صورت میں انگلیوں کے درمیان سے ابلنے لگا۔آپ نے ارشاد فرمایا، "**حی علی الطھور المبارک والبرکۃ من اللہ** ۔آؤ بابرکت پانی پیو اور برکت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔" ہم سب نے اس پانی کو اچھی طرح سیر ہو کر پیا اور جتنا ممکن ہوسکا ذخیرہ بھی کیا۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) راوی ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ تھے۔ لوگوں کو پانی نہ مل سکا۔ رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں ایک کھلے برتن میں تھوڑا سا پانی لایا گیا۔ آپ نے اپنا دستِ اقدس اس میں رکھا اور انگلیوں کو پھیلا دیا۔ راوی کہتے ہیں میں نے انگلیوں کے درمیان سے پانی کو چشمہ وار نکلتے دیکھا۔ پھر رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا، ''**حی علی الوضوء والبرکة من الله**۔ وضو کی طرف آؤ اور برکت اللہ عزوجل کی جانب سے ہے۔''

تبصرہ:۔

ان دونوں واقعات میں رسول اکرم (ﷺ) کے معجزہ عظیمہ کے ظہور کا بیان ہے۔ جس کو پڑھ کر بالیقین نتیجہ مرتب کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کا دین کی راہ میں ''بھوک و پیاس'' کی تکلیف برداشت کرنا، فقط امت کی حوصلہ افزائی کی غرض سے تھا، نہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نعمت کی کمی میں ابتلاء کی وجہ سے۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی جانب سے مطالبہ ہوتا اور واقعی ضرورتِ شدیدہ محسوس ہوتی، تو محبوبِ کبریا اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ اختیارات کا فوری استعمال کر کے وقتی تکالیف کو بآسانی دور کر دیا کرتے تھے۔

پانچواں قافلہ:۔

☆ حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو سخت پیاس لگی۔ رسول اللہ (ﷺ) کے سامنے پانی کا ایک پیالہ تھا۔ آپ نے اس سے وضو فرمایا۔ تمام لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، آپ نے فرمایا، کیا بات ہے، کیوں

اکٹھے ہو کر آئے ہو؟... عرض کی، ''ہمارے پاس نہ وضو کے لئے پانی ہے اور نہ پینے کے لئے، آپ کے پیالے میں جتنا پانی موجود ہے، فقط وہی باقی ہے۔'' یہ سن کر آپ نے اپنا دستِ اقدس اس پیالے میں رکھ دیا ہم نے دیکھا کہ انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے چنانچہ ہم نے اسے پیا بھی اور اس سے وضو بھی کیا۔ حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا گیا کہ اس وقت لشکر میں کتنے آدمی تھے؟... فرمایا، اگر ایک لاکھ بھی ہوتے، تب بھی وہ پانی سب کے لئے کافی ہوتا لیکن اس وقت پندرہ سو آدمی تھے۔

☆ حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک لشکر میں تھے۔ سرکار مدینہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، ''اے جابر! لوگوں میں اعلان کردو کہ وضو کر لیں (اور کچھ پانی ادھر بھی لائیں)۔ میں اعلان کیا، لیکن معلوم ہوا کہ لشکر میں بالکل پانی موجود نہیں۔ میں نے تمام صورتِ حال عرض کر دی۔ انصار میں سے ایک شخص رسول اللہ (ﷺ) پانی (کے مشکیزوں کو لکڑیوں پر لٹکا کر پانی) ٹھنڈا کیا کرتا تھا۔ آپ نے حکم ارشاد فرمایا کہ اس کے پاس جا کر پانی کا معلوم کرو۔ میں نے جا کر معلوم کیا، تو اس کے مشکیزے میں فقط اتنا پانی تھا کہ جب میں اسے لے کر آیا تو رسول اللہ (ﷺ) نے اسے اپنے دستِ اقدس پر گرا لیا اور کچھ پڑھنا شروع کیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے کیا پڑھا اور پھر پانی کو مشکیزے میں ڈال کر میرے حوالے کر دیا اور فرمایا، ایک بڑا تھال منگواؤ۔ میں نے فوراً تھال منگوایا۔ آپ نے اسے رکھا اور اپنے دستِ اقدس کو اس میں گہری جگہ رکھ کر انگلیاں مبارکہ پھیلا دیں اور مجھے حکم فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر پانی ڈالو۔ میں نے حسبِ حکم پانی انڈیلا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی فوارے کی طرح ابل رہا تھا۔ پھر پانی کی سطح بلند ہونے لگی

اور چکر بندھ گیا، حتی کہ تھال بھر گیا۔ پھر آپ کے حکم پر میں نے اعلان کر دیا کہ جس کو پانی کی ضرورت ہے، آ کر لے جائے۔ میرے اعلان پر لوگ دوڑے آئے اور پانی پیا، حتی کہ سیراب ہو گئے۔ تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تھال سے ہاتھ باہر نکالا۔

تبصرہ:۔

ان واقعات میں بھی پانی زیادہ کرنے کا معجزہ بیان کیا گیا ہے۔ اس قابل غور طلب بات یہ ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے پانی کی قلت کی درخواست براہِ راست بارگاہِ الٰہی میں پیش نہ کی، بلکہ اپنے پیارے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضری کو اولیت دی، جس سے بخوبی معلوم ہوا کہ دینے والی ذات تو فقط اللہ تعالیٰ کی ہی ہے، لیکن وسیلے سے عطا کرنا، اس کی عادتِ کریمہ ہے۔

نیز رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پانی سے فیضیاب فرماتے ہوئے ''بسم اللہ پڑھ کر پانی ڈالو'' فرمانا ظاہر کرتا ہے کہ ادب یہی کہ ہر کمال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہی کی جائے۔

نیز یہاں ایک نفیس نکتے کی جانب اشارہ بھی مفید رہے گا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہر مرتبہ تھوڑا بہت پانی طلب کرنا اس لئے نہ تھا کہ اس کے بغیر معجزہ ظہور پزیر نہ ہو سکتا تھا، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ بغیر کسی وسیلے کے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا، حقیقۃً اللہ عزوجل کو ہی زیبا ہے، چنانچہ از روئے ادب ہر بار پانی کا مطالبہ فرمایا، اگرچہ بالکل تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

چھٹا قافلہ:۔

حضرت نافع (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ ہم تقریباً چار سو افراد رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ شریکِ سفر تھے۔ ہم نے ایک ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا، جہاں پانی نام کو نہ تھا۔ یہ معاملہ رسول اللہ (ﷺ) کے اصحاب پر بڑا گراں گزرا۔ جب پیاس کی وجہ سے سب بے چین ہو گئے، تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی۔ تھوڑی دیر میں ایک چھوٹی سینگ دار بکری کہیں سے آ کر رسول اللہ (ﷺ) کی بارگاہ میں کھڑی ہو گئی۔ آپ نے اس کا دودھ نکالا، خود بھی پیا اور اپنے اصحاب کو بھی عطا فرمایا، حتی کہ سب سیراب ہو گئے۔ پھر مجھے فرمایا، ''اے نافع! یہ بکری آج رات تمہاری ملکیت ہے، اسے سنبھال کر رکھنا، لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اسے اپنے قبضے میں نہ رکھ سکو گے۔'' فرماتے ہیں کہ میں نے اس بکری کو ایک رسی کے ذریعے مضبوطی سے باندھ دیا اور سو گیا۔ رات کے کسی حصے میں میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ رسی موجود ہے، لیکن بکری غائب ہے۔ صبح جب خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور صورتِ حال عرض کی، تو فرمایا، ''اے نافع! جو اس کو لایا تھا، وہی اس کو لے گیا۔''

تبصرہ:۔

سبحان اللہ! یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آزمائشوں کا سلسلہ فقط صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے درجات کی بلندی اور بعد میں آنے والوں کی حوصلہ افزائی اور تعلیم کے لئے تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں، نہ ہی وہ عطا فرمانے میں بخل سے کام لیتا ہے اور نہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو تکلیف میں مبتلاء کرنے میں اس کی کوئی غرض پوشیدہ تھی۔

ساتواں قافلہ:۔

یہ قافلہ جنگ کے لئے مرتب کیا گیا تھا اور اس غزوے کو "غزوہ بدر الموعد" کے نام سے جانا ہے۔ اس غزوہ کا باعث یہ تھا کہ ابوسفیان جب احد سے لوٹا، تو اس نے کہا اس سال کے اخیر پر تمہارا اور ہمارا مقاتلہ بدرِ صغری کے مقام پر ہوگا۔ بدرِ صغری ایک بازار تھا، جو ذوالقعدہ کا چاند دیکھنے پر قائم کیا جاتا تھا اور لوگ اس میں مختلف چیزوں کی خرید و فروخت کرتے۔

جب وقتِ موعود قرب آیا، تو ابوسفیان نے جنگ کے لئے نکلنا پسند نہ کیا، لیکن نبی اکرم (ﷺ) پندرہ سو صحابہ کی معیت میں مقام موعود پر پہنچ گئے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے اپنا علم مبارک، حضرت علی المرتضی (رضی اللہ عنہ) کو سپرد فرمایا تھا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) جنگی سامان کے ساتھ ساتھ، کچھ سامان تجارت بھی لائے تھے۔ رحمتِ عالم (ﷺ)، صحابہ عظام (رضی اللہ عنہم) کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے، تو ذوالقعدہ کی ابتداء تھی اور حسبِ سابق بازار قائم ہو چکا تھا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے ساتھ لایا ہوا مال بیچا اور کچھ خریدا، اس طرح کافی نفع حاصل کیا۔ دوسری طرف ابوسفیان مکہ مکرمہ سے نکلا، لیکن مرالظہران پہنچ کر یہ کہتے ہوئے واپس ہو گیا کہ یہ قحط اور خشکی والا سال ہے (لہذا ہم اس میں جنگ و جدال نہیں کر سکتے) مجاہد رضی اللہ عنہ نے قول باری تعالی،

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ. وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لئے جتھا جوڑا تو ان سے ڈرو۔

(ترجمہ کنزالایمان۔ پ۴۔ ال عمران ۱۷۳:۳)

کی تفسیر میں کہا کہ تیاری کرنے والوں سے مراد ابوسفیان ہے۔ جس نے کہا تھا کہ اے محمد (ﷺ)! تمہارا اور ہمارا مقابلہ بدر میں ہوگا، جہاں تم نے ہمارے ساتھیوں کو قتل کیا تھا۔ آپ (ﷺ) اس کے وعدے کے مطابق چلے، حتی کہ بدر میں پڑاؤ ڈالا اور بازار لگنے کا موقع بھی اتفاق سے وہی تھا (تو وہاں تجارت کی اور منافع حاصل کر کے مراجعت فرما ہوئے۔)

اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ۔ تو پلٹے اللہ کے احسان اور فضل سے کہ انہیں کوئی برائی نہیں پہنچی۔

(ترجمہ کنزالایمان۔ پ۴۔ ال عمران ۱۷۴:۳)

آیتِ کریمہ میں فضل سے مراد تجارت سے حاصل ہونے والا منافع ہے۔ جہاں سے یہ منفعتیں حاصل کر کے لوٹے، وہ مقام بدر صغریٰ ہے۔"

تبصرہ:۔

یہ قافلہ رحمتِ کونین (ﷺ) کے علم غیب اور ہمت و شجاعت کی خبر دے رہا ہے، کیونکہ جنگ کی غرض سے روانہ ہوتے ہوئے ہرگز سامان تجارت ساتھ نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ جنگ کا نتیجہ اپنی مرضی کے مطابق نکلے ضروری نہیں۔ چنانچہ اگر ایسا ہوتا کہ مسلمان ہار جاتے، تو یقیناً یہ مال تجارت کفار کے قبضے میں چلا جاتا۔ لھذا معلوم ہوا کہ رسول اکرم (ﷺ) کو علم تھا کہ جنگ نہیں ہوگی اور مسلمان بازار میں خرید و

فروخت کے ذریعے نفع اٹھائیں گے۔

نیز سفیان کے ''قحط اور خشکی'' کو بنیاد بنا کر واپس ہو جانے، جب کہ رسول اللہ (ﷺ) کے آگے بڑھتے چلے جانے میں، شجاعت و بزدلی کا عنصر کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا۔

آٹھواں قافلہ:۔

یہ قافلہ سفیان کے تعاقب کے لئے روانہ ہوا تھا۔ اسے غزوہ سویق کہتے ہیں۔ یہ غزوہ ہجرت کے بائیسویں مہینہ میں وقوع پزیر ہوا۔ اس موقع پر رسول کریم (ﷺ) نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ اور قائم مقام بنایا۔ اس غزوے کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان نے (میدان بدر میں ذلت آمیز اور عبرتناک شکست کھانے کے بعد) یہ قسم کھا رکھی تھی کہ میں اس وقت تک کوئی چکنائی والی چیز استعمال نہیں کروں گا (یعنی گھی، زیتون وغیرہ) جب تک کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں سے بدلہ نہ لے لوں۔''

چنانچہ وہ اس قسم کو پورا کرنے کی غرض سے مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا، دو آدمیوں کو شہید کر ڈالا اور چند مکانوں کو آگ لگا دی اور راہ فرار اختیار کی۔ اس طرح اپنے گمان میں اس نے قسم پوری کر لی۔

جب حضورِ اکرم (ﷺ) کو اس امر کی اطلاع ملی، تو آپ اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ ادھر سفیان اور اس کے ساتھیوں کو نبی اکرم (ﷺ) کی آمد کا علم ہوا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ساز و سامان پھینکنے لگے، حتی کہ سویق (ستو) کی بوریاں بھی پھینکتے جا رہے تھے، اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام غزوہ

سویق رکھ دیا گیا۔اہل اسلام نے ان کو اٹھالیا اور واپس ہوئے، جب کہ ابوسفیان بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا۔

تبصرہ:۔

اپنے ساتھ وابستہ کارکنوں کے ساتھ بلا امتیاز اچھا سلوک روا رکھنا، ان کے جذبات واحساسات وآرام کا خیال رکھنا اور انہیں پہنچنے والی تکلیف کے وقت عملی لحاظ سے ان کی مدد کے لئے تیار رہنا، تمام کارکنوں کے قلوب میں رہنما کی محبت کے اضافے کا سبب بنتا ہے اور وہ دل وجان سے اطاعت کی جانب مائل رہتے ہیں۔اس کے برعکس اپنا کام نکالنے کے لئے کسی کو سینے سے لگانا اور کام نکل جانے کے بعد اسے نظرانداز کردینا، نیز کسی کے ساتھ ہر طرح کا تعاون اور کسی کے لئے بالکل اجنبی بن جانا، رہنما سے بدظنی کا سبب بن جاتا ہے۔

اس واقعے میں اسی اصول کی جانب اشارہ ملتا ہے۔سفیان کی جانب سے دو اشخاص کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نکلنا، یقیناً دیگر تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے لئے بے حد حوصلہ افزائی کا سبب بنا ہوگا اور ان کے قلوب میں آپ کی عظمت ومحبت میں اضافہ ہونا، ایک یقینی امر ہے۔

نواں قافلہ:۔

یہ قافلہ بھی دین اسلام کا نام بلند کرنے کی غرض سے روانہ ہوا تھا۔اسے غزوہ قرقرۃ الکدر کہتے ہیں۔

یہ غزوہ، ہجرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تیئسویں (23) مہینے میں واقع ہوا۔اس

موقع پر رسول اکرم (ﷺ) نے حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہوئے۔ آپ کا جھنڈا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس غزوہ میں اہل اسلام کامیاب رہے اور تقریباً پانچ سو اونٹ مال غنیمت کے طور پر حاصل کر کے مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

دسواں قافلہ:۔

یہ قافلہ دشمنان اسلام کی سرکوبی کے روانہ ہوا تھا۔ اسے غزوہ غطفان کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ غزوہ ہجرت کے پچیسویں مہینے میں واقع ہوا تھا۔ اس موقع پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں قائم مقام مقرر کیا گیا۔ اس غزوہ کا باعث یہ تھا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ قبیلہ غطفان کی بھاری جمعیت، اہل اسلام کے خلاف کاروائی پر تلی ہوئی ہے۔ یہ سن کر آپ جوابی کاروائی کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر نکلے۔ انہوں نے جب رسول اللہ (ﷺ) کی آمد کا سنا، تو خوف ورعب کی وجہ سے راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

واپسی پر رسول اللہ (ﷺ) ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بھی ادھر ادھر سایہ دار درختوں کے نیچے قیلولہ کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک کافر غورث بن حارث آیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر رسول اکرم (ﷺ) سے کہنے لگا، ''اب آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟...آپ نے بالکل پرسکون لہجے میں فرمایا، اللہ۔'' اتنا سننا تھا کہ غورث کے ہاتھ کانپنے اور بدن

لرزنے لگا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرگئی۔

نبی اکرم (ﷺ) نے اس کو اٹھایا اور فرمایا، اب بتا، تجھے میرے ہاتھ سے بچانے والا کون ہے؟... اس نے عرض کی، ''سوائے آپ کی کرم نوازی اور عادتِ عفو درگزر کے کوئی بچاؤ کی صورت نہیں۔''

آپ نے اس سے درگزر فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق اس اخلاق کریمانہ کو دیکھ کر وہ اسلام لے آیا اور رسول خدا (ﷺ) خیر و عافیت سے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

تبصرہ:۔

اس واقعے سے رسول اللہ (ﷺ) کی شجاعت اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بابرکت پر کامل توکل کا پاکیزہ درس ملتا ہے۔

گیارھواں قافلہ:۔

یہ قافلہ بھی دشمن کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا تھا۔ اسے غزوہ بنی سلیم کہتے ہیں۔

یہ غزوہ ہجرتِ نبوی (ﷺ) کے ستائیسویں (27) ماہ، فرع کے قریب وقوع پزیر ہوا۔ اس کا موجب یہ تھا کہ رسول اللہ (ﷺ) اطلاع ملی کہ بنی سلیم کی ایک جماعت وہاں موجود ہے، جو برے عزائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ ان کی سرکوبی کی غرض سے نکلے، تو وہ منتشر ہوگئے۔

تبصرہ:۔

اس واقعے سے بھی رسول اکرم (ﷺ) کی بے مثل شجاعت اور دین اسلام کی راہ میں ہمہ وقت سفر فرمانے کے لئے تیار رہنے کی عادت کریمہ کو بخوبی جانا جاسکتا ہے۔

بارھواں قافلہ:۔

یہ قافلہ حفاظتِ اسلام کی غرض سے روانہ ہوا تھا۔ کتب میں اسے غزوہ احد کے نام سے رقم کیا گیا ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ

جب میدان بدر سے شکست کھا کر بھاگ نکلنے والے مشرک، مکہ مکرمہ پہنچے، تو اس قافلۂ سامان تجارت کو دارالندوہ کے دروازہ پر موجود پایا، جو ابوسفیان اپنے ہمراہ شام سے لایا تھا اور اہل اسلام کے حملے سے بچا کر مکہ مکرمہ پہنچانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اشرافِ قریش ابوسفیان کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے دلوں کی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک اسی میں ہے کہ اس ساز وسامان کی منفعت سے ایک لشکر کی تیاری کریں، جو محمد (ﷺ) کے خلاف کاروائی کرے اور ہماری شکست کا بدلہ لے۔''

ابوسفیان بولا، میں پہلا شخص ہوں، جو اس دعوت پر لبیک کہتا ہوں اور سبھی بنوعبد مناف میرے ساتھ ہیں۔'' چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے قافلے میں شریک ہزار اونٹوں پر لدا ہوا ساز وسامان پچاس ہزار دینار میں بیچا گیا۔ پھر جس شخص کا جتنا حصہ تھا، اسے اس کا سرمایا لوٹا دیا گیا اور منافع کو الگ کر لیا گیا۔ اس کے بعد تمام اہل عرب کو جنگ کی تیاری اور میدان جنگ کی طرف نکلنے کے لیے دعوت دی گئی، نیز اس پر بھی اتفاق ہو گیا کہ کچھ عورتیں ہمراہ ہونی چاہئیں، تاکہ وہ ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں

اپنی گرفتاری، ذلت اور بدر کے مقتولین کا واسطہ دے کر شدید ترین کاروائی کرنے پر ابھاریں۔

ان سب تیاریوں کے بعد قریش تین ہزار کی تعداد میں نکلے۔ ان کے ساتھ ابو عامر راہب، سات سو زرہ پوش، دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔ یہ لشکر سفر طے کرتا ہوا، ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچا۔

دوسری جانب مدینہ منورہ میں صورتحال یہ تھی کہ نبی اکرم (ﷺ) کے درِ اقدس پر حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم، چند دوسرے ساتھیوں کے ساتھ پہرہ دے رہے تھے، نیز دوسری جگہوں پر بھی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم، مدینہ منورہ کی نگرانی وحفاظت پر مامور تھے۔

قریش کی آمد کی خبر سن کر جنگ کے بارے میں رسول خدا (ﷺ) کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں ہی دشمن کا انتظار کیا جائے اور یہیں جوابی کاروائی کی جائے۔ مگر بعض نوعمر حضرات، جو بدر میں شمولیت نہیں کر سکے تھے اور جذبہ شہادت سے سرشار تھے، ان کی رائے یہی تھی کہ باہر نکل کر جنگ لڑی جائے، تاکہ ہمیں مرتبہ شہادت مل سکے۔

ان کی رائے کو تسلیم فرماتے ہوئے، اولاً رسول اللہ (ﷺ) نے نمازِ جمعہ ادا فرمائی، پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو وعظ ونصیحت اور مقدور بھر سعی واجتہاد کا حکم فرمانے کے بعد نماز عصر ادا فرمائی اور گھر تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ ابوبکر صدیق اور عمر فاورق رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انہوں نے آپ کو لباس جنگ پہننے میں اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے دستار بندھوائی، لباس پہنایا۔

باہر لوگوں کی صفیں بندھ چکی تھیں، آپ باہر تشریف لائے۔ آلاتِ حرب و سامان قتال ہمراہ تھا۔ سر پر خود اور کمر میں تلوار حمائل کی ہوئی تھی، جب کہ ڈھال کو پس پشت لٹکایا ہوا تھا اور تین علم بندھے ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ میں عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوئے کمان کو گلے میں لٹکایا اور اس کا درمیانی حصہ دستِ اقدس میں لیا۔ اس قافلے میں مجموعی طور پر سو شخص زرہ پوش تھے۔

اس موقع پر عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ علیحدہ ہوگیا اور نبی اکرم (ﷺ) کے ہمراہ صرف سات سو مجاہدین رہ گئے۔ آپ نے احد پہاڑ کو پشت پر لیا اور قبلہ کی جانب رخ کیا۔ پھر صفوفِ مجاہدین کو ترتیب دیا اور پچاس تیر انداز پہاڑ کے ایک درہ پر مقرر فرمائے اور تلقین کی کہ کسی بھی حال میں اس مقام کو نہ چھوڑنا۔

مشرکین نے اپنی صف بندی کرتے ہوئے خالد بن ولید کو، جو ابھی مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے اور مشرکین کے ساتھ تھے، میمنہ (سیدھی جانب) پر، عکرمہ بن ابی جہل کو میسرہ (الٹی جانب) پر اور گھوڑ سواروں کی قیادت صفوان بن امیہ کے سپرد کی۔

ساتھ آئی ہوئی عورتوں نے دف بجا کر گانا شروع کیا اور سپاہیوں کو جرأت دلانے لگیں۔ ان کے اشعار کا مفہوم یہ تھا۔

ہم طارق کی بیٹیاں ہیں، جو کہ نرم و نازک بچھونوں اور گدوں پر چلنے والی ہیں۔ کستوری سے ہماری مانگیں مہک رہی ہیں اگر آگے بڑھ کر حملہ کرو گے، تو ہم تم سے معانقہ کریں گی، تمہیں پیار سے گلے لگائیں گی اور پیٹھ پھیرو گے، تو تم سے جدا ہو

جائیں گی اور پھر تمہیں کبھی منہ نہیں لگائیں گی اور ایسی جدائی اختیار کریں گی کہ محبت و تعلق کا ادنی رشتہ بھی برقرار نہیں رکھیں گی۔''

جب جنگ شروع ہوئی، تو اہل اسلام نے ایسا بھرپور حملہ کیا کہ مشرکین کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔انہیں بھاگتا دیکھ کر مسلمان مال غنیمت لوٹنے لگے اور رسول اللہ (ﷺ) کی مقرر کردہ تیر اندازوں کی جماعت بھی، سوائے چند ایک کے مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوگئی۔

خالد بن ولید نے جونہی درہ خالی دیکھا، گھوڑ سوار جماعت کے ساتھ پیچھے سے حملہ کر دیا، عکرمہ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔عقب سے کئے گئے، اس اچانک حملے سے اہل اسلام کی صفیں ٹوٹ گئیں اور ابلیس نے اعلان کر دیا کہ (نعوذ باللہ) محمد (ﷺ) قتل ہو گئے ہیں۔

دوسری طرف آپ، صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ہمراہ ثابت قدمی سے جنگ لڑتے رہے۔دوران جنگ آپ کے سامنے والے چار دانت مبارک میں سے ایک نچلے دانت مبارک کا کنارہ ٹوٹ گیا۔نیز ابن قمہ نے ایک پتھر مارا، جس کے باعث، خود کی لڑیاں رخسار میں پیوست ہوگئیں۔آپ (ﷺ) نے ابی بن خلف پر نیزے کا وار کیا، جس سے معمولی زخم آیا، لیکن وہ اسی زخم سے ہلاک ہوگیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک میں نے رسول خدا (ﷺ) کے دائیں دو اشخاص دیکھے، جو سفید لباس زیب تن کئے ہوئے تھے اور آپ کا سخت ترین دفاع کر رہے تھے، میں نے ان کو نہ اس سے قبل دیکھا تھا، نہ اس کے بعد کبھی دیکھ سکا۔

تبصرہ:۔
اس واقعے سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ (ﷺ) بے مثل ہمت وشجاعت رکھتے تھے۔ کیونکہ شیطانی افواہ کی بناء پر بدحواسی میں مبتلاء ہونے والے افراد منتشر ہو چکے تھے، فقط رسول اللہ (ﷺ) اور آپ کی برکت سے چند صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہی ثابت قدم رہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے پیارے رسول (ﷺ) اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہا کرتے تھے۔ کیونکہ اگر آپ چاہتے، تو جنگ کی ابتداء میں ہی میں عافیت اور فتح کی دعا فرما دیتے، یقیناً اس دعا کی قبولیت کی بناء پر یہ سب کچھ نہ ہوتا، جو نظر آیا۔ لیکن آپ کے علم مبارک میں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کچھ اور ہے، لھذا دعا صادر نہ فرمائی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب (ﷺ) کی حفاظت کے لئے غیب سے انتظام فرمایا ہوا تھا۔

اس واقعے میں دین کی راہ میں تکالیف کا سامنا کرنے والوں کے لئے بے حد درس ہدایت پوشیدہ ہے، کاش! شکوہ شکایت کے بجائے، اس واقعے کے مطابق صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا جائے۔

تیرھواں قافلہ:۔

یہ قافلہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آزمائش کے لئے مرتب فرمایا گیا تھا۔ اسے غزوہ حمراء الاسد یہ کہتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اہل اسلام احد سے لوٹے، تورات میں زخمیوں کی مرہم پٹی میں مشغول رہے۔ صبح نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد سرکارِ مدینہ (ﷺ) نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کریں کہ رسول خدا (ﷺ) تمہیں دشمن کا تعاقب کرنے کا حکم فرما رہے ہیں اور جو لوگ کل جنگ میں شامل تھے، صرف وُہی ہمارے ساتھ کفار کے تعاقب میں نکلیں گے۔''

رسول اکرم (ﷺ) اس غزوہ پر اس حال میں نکلے کہ چہرہ اقدس اور لب ہائے مبارک زخمی تھے۔ اس قافلے نے حمراء اسد کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ جب ابوسفیان کو اہل اسلام کے تعاقب کا علم ہوا، تو وہ بھاگ کھڑا ہوا اور دل میں مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے ضرب کاری لگانے کا جو خیال فاسد کیا تھا، اس کو عملی جامہ پہنانا تو درکنار اپنی جان بچانے میں عافیت سمجھی۔ تب رسول خدا (ﷺ) مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔

تبصرہ:۔

اس واقعے میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کی زبردست دلیل ہے۔ زخموں سے چور چور ہونے کے بعد ابھی مکمل طور پر آرام بھی نہ کیا ہو اور دوبارہ سخت جنگ کی جانب بلا لیا جائے، تو اچھے اچھوں کی زبان سے انکار یا شکوہ سنا جا سکتا ہے، لیکن قربان جایئے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں سے کسی سے اس قسم کا شکوہ شکایت منقول نہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ خود رسول اللہ (ﷺ) کا زخمی ہونے کے باوجود ساتھ جانا ہے۔ جب رہنما خود قربانی دے رہا ہو، تو ماتحت کے لئے

آزمائشوں پر پورا اترنا بے حد آسان ہو جاتا ہے۔

چودھواں قافلہ:۔

یہ قافلہ یہودیوں کو ذلیل وخوار کرنے اور اسلام کو تقویت دینے کی غرض سے روانہ ہوا تھا۔ اسے غزوہ بنی النضیر کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ غزوہ ہجرت کے سینتیسویں (37) سال وقوع پزیر ہوا۔ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) بنو النضیر کے ہاں تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ ان دو شخصوں کی دیت کے معاملے میں امداد دینے کے لیے بات چیت کی، جن کو آپ نے امان دی تھی اور عمرو بن امیہ نے ان کو قتل کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا، ہم ضرور آپ کی اعانت کریں گے۔

اسی قبیلے کے ایک شخص عمرو بن حجاش نے اپنے ساتھیوں کے سامنے اس ناپاک ارادے کا اظہار کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک مکان کی دیوار کے سائے میں بیٹھیں ہیں، میں مکان کی چھت پر چڑھ جاتا ہوں اور اوپر سے پتھر گرا کر آپ کو (العیاذ باللہ) قتل کر دیتا ہوں۔"

یہ مکروہ منصوبہ سن کر سلام بن مشکم نے کہا کہ ایسا ہرگز نہ کرو، ان کو تمہارے اس برے ارادہ سے آگاہ کر دیا جائے گا اور پھر یہ تمہارے خلاف سخت کاروائی کریں گے، پھر تمہیں کوئی ٹھکانہ نہیں ملے گا۔"

مگر وہ بدبخت باز نہ آیا اور اس برے ارادے کی تکمیل کے لیے مکان پر چڑھ گیا۔ دوسری طرف اللہ تعالی نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس پر مطلع فرما دیا۔ چنانچہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فورا مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر ان کی طرف پیغام بھیجا کہ "فوری طور پر میرے شہر سے نکل جاؤ، تمہیں دس دن کی مہلت ہے، اس میں تیاری

کرو اور اپنا ساز وسامان لے جانے کا بندوبست کرلو۔

جب عبداللہ بن ابی منافق کو اس امر کی اطلاع ملی، تو اس نے ان کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ جلاوطنی اختیار نہ کرنا، کیونکہ میرے ساتھ دو ہزار آدمی ہیں، کچھ میری قوم سے اور کچھ دوسرے لوگوں میں سے، جو تمہاری ہر طرح مدد کریں گے۔ علاوہ ازیں بنو قریظہ اور قبیلہ غطفان، تمہارے حلفاء بھی ہیں، جو امداد و تعاون میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔'' عبداللہ کا یہ پیغام سن کر قبیلہ نے زعم میں کہ اتنے لوگ ہماری مدد کرنے والے ہیں، تو پھر ہمیں اپنے گھروں سے کون نکال سکتا ہے، نکلنے سے انکار کر دیا۔

بالآخر رسول خدا (ﷺ)، بنو النضیر کے خلاف کاروائی کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ (ﷺ) کا علم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔

آپ کی آمد کا سن کر بنو النضیر قلعہ بند ہو گئے اور اندر سے تیر اور پتھر پھینکنے لگے۔ ان کی امیدوں کے برعکس، نہ بنو قریظہ نے مدد کی، بلکہ الگ تھلگ رہے اور نہ ہی عبداللہ بن ابی امداد کو پہنچا، بلکہ انکو ذلیل و رسوا کیا اور نہ ہی غطفانی حلیف ہی کام آئے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے ان کا محاصرہ فرما لیا اور ان کے کھجوروں کے باغات کاٹنے شروع کر دئے۔ یہ منظر دیکھ کر انہوں نے فوراً مصالحت کے لئے کوشش شروع کر دی اور کہا کہ آپ ہمیں بخیریت جانے دیں، ہم آپ کے علاقہ جات سے نکل جاتے ہیں۔''

رسول کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، ٹھیک ہے، اگر تم یہاں سے نکل جاؤ، تو تمہاری جان بخشی کر دی جائے گی اور جو کچھ تمہارے اونٹ اٹھا سکیں، تمہیں وہ سامان

بھی لے ساتھ لے جانے کا اختیار ہوگا۔ البتہ سامان جنگ اور آلات حرب ساتھ نہیں لے جا سکتے۔“

چنانچہ وہ لوگ چھ سو اونٹوں پر جتنا ساز و سامان لے جا سکتے تھے، لے کر وہاں سے نکل گئے اور پچاس زرہیں، پچاس خود، تین سو چالیس تلواریں، مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ چونکہ یہ ساز و سامان بغیر جنگ کے ہاتھ آیا تھا، چنانچہ یہ خالصۃً رسول اللہ (ﷺ) کا حق تھا۔ آپ نے اسے بیت المال میں مجاہدین کی جنگی ضروریات پوری کرنے کے لئے رکھوا دیا، تاکہ بوقتِ ضرورت ضرورتمندوں کو ان سے استفادہ کا موقع مل سکے۔

تبصرہ:۔

اس واقعے میں یہودیوں کی بدباطنی کا ذکر ہے۔ انہیں جلاوطن کرنا، اللہ عزوجل کے حکم سے تھا، لھذا یہ نہ کہا جائے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے اوپر حملہ کرنے کے جرم میں انہیں شہر بدر کر دیا۔

پندرھواں قافلہ:۔

یہ بھی جنگ کے لئے مرتب کیا گیا تھا۔ اس غزوے کو ”غزوہ ذات الرقاع“ کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ غزوہ ہجرت کے سترھویں مہینے میں واقع ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور (ﷺ) کو اطلاع دی گئی کہ قبیلہ انمار نے آپ کے ساتھ جنگ وقتال کے لئے متعدد جماعتیں جمع کر رکھی ہیں۔ چنانچہ آپ (ﷺ) نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہ) کی معیت میں انمار کے مقام ذات الرقاع میں پہنچے، وہاں ایک پہاڑ تھا، جسے رقاع کہا جاتا تھا، اس غزوہ کو اسی پہاڑ کی نسبت سے غزوہ ذات الرقاع کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں سرخ وسیاہ اور سفید قطعات تھے، جو اس جبہ دُرویش کی مانند تھا، جو مختلف پیوندوں کا مرقع ہو۔ آپ اس پہاڑ پر چڑھے، تو وہاں سوا چند عورتوں کے اور کسی کو موجود نہ پایا (باقی سب لوگ بھاگ گئے تھے) لہذا انہیں قیدی بنالیا گیا اور مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔

تبصرہ:۔

اس واقعے میں بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا دین کی خاطر اپنے آرام وسکون کو ترک کر کے سخت ترین سفر اختیار کرنے کا بیان ہے۔ نیز اس سے سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شجاعت کے بارے میں بھی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اسلام کے خلاف کئی جماعتوں کے جمع ہونے کی خبر سننے کے باوجود خود آگے بڑھ کر مقابلہ کرنا، یقیناً بہادری کی علامت ہے۔

سولھواں قافلہ:۔

یہ قافلہ بھی جنگ کے لئے روانہ ہوا تھا۔ اس غزوے کو ''غزوہ دومۃ الجندل'' کہا جاتا ہے۔ یہ غزوہ ہجرت کے انچاسویں ماہ یعنی پانچویں سال کے آغاز میں وقوع پذیر ہوا۔ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اطلاع ملی کہ اس مقام پر ایک بڑی جمعیت موجود ہے، جو ہر رہ گزر پر ظلم وستم کرتی ہے، تو ہزار آدمی کی بھاری معیت کے ساتھ اس طرف نکلے

اور مدینہ منورہ میں سباع بن عرفطہ (رضی اللہ عنہ) کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ آپ نے ان کے مویشیوں اور چرواہوں پر اچانک حملہ فرمایا، جو بھاگ سکے، بھاگ گئے، باقی قید کر لئے گئے اور جانور بھی قبضے میں لے لئے گئے، پھر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔

تبصرہ:۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ (ﷺ) نہ صرف دین کی سربلندی کے لئے جہاد فرمایا کرتے تھے، بلکہ آپ نے، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے ہمراہ مظلوموں کی مدد کے لئے بھی جنگ فرمائی۔

سترھواں قافلہ:۔

یہ جنگی قافلہ تھا۔ اسے "غزوہ مریسیع" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ بنی مصطلق کے ایک کنویں کا نام ہے۔ ان کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا۔ جس نے رسول (ﷺ) کے ساتھ جنگ لڑنے کے لئے لشکر تیار کر رکھا تھا، لہذا نبی اکرم (ﷺ) ان کی سرکوبی اور دفاعی کاروائی کیلئے نکلے۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے، تو تھوڑی دیر کیلئے صرف تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ پھر آنحضرت (ﷺ) نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو یکبارگی حملے کا حکم دیا۔ اس حملے سے دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس حملے میں ان کے دس آدمی قتل ہوئے اور دوسرے قیدی بنا لئے گئے، مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص نے جام شہادت نوش کیا۔

آپ (ﷺ) نے ان کے مردوں اور عورتوں کو قید کر لیا اور ساتھ ہی ان کی اولاد وعیال کو جو کہ دو سو گھروں پر مشتمل تھے اور انکے چوپائے بھی اپنے قبضے میں کر

لئے، جو مجموعی طور پر دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں۔

بنی المصطلق کے انہی قیدیوں میں جویریہ بنت الحارث (رضی اللہ عنہا) بھی قید ہو کر آئیں اور ثابت بن قیس (رضی اللہ عنہ) اور ان کے چچازاد بھائی کے حصے میں آئیں۔ اور ایک قول مطابق خالص ثابت بن قیس (رضی اللہ عنہ) کے حصہ میں آئیں۔ آپ نے انہیں مکاتبہ بنا دیا یعنی ارشاد فرمایا کہ ایک مقررہ رقم ادا کر دو، تو میری طرف سے آزاد ہو۔

انہوں نے بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں حاضر ہو کر اس رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں تعاون کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی طرف سے وہ رقم ادا کر دی اور ان کو آزاد فرما کر، شرفِ زوجیت سے مشرف فرمایا اور ام المومنین ہونے کا اعزاز بخشا۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ صورت حال دیکھی، تو کہنے لگے کہ اب یہ لوگ حضور (ﷺ) کے سسرالی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ہم ان کو کس طرح قیدی بنائے رکھیں اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنے لونڈی اور غلام بنائیں، لہٰذا ان میں سے جس کے پاس اس قبیلے کا کوئی فرد تھا، سبھی کو آزاد کر دیا گیا۔ (اس لحاظ سے اپنے قبیلے کے حق میں ان سے بڑھ کر کوئی عورت خیر و برکت اور عزت و عظمت کا موجب نہیں بن سکی)۔

تبصرہ:۔

اس واقعے میں جہاں دین کی خاطر قربانی کا جذبہ نمایاں نظر آتا ہے، وہیں بے مثال ذہانت و حکمت کا اظہار بھی بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ کسی خاندان سے تعلق، اس کی حمایت و مدد کے حصول اور اس کی جانب سے نقصان پہنچانے سے

حفاظت کا سبب بن جاتا ہے۔اس زمانے میں اسلام کے فروغ کے لئے اس قسم کا تعاون بے حد ضروری تھا، چنانچہ سرکار (ﷺ) کا یہ فیصلہ معاذ اللہ کسی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے نہیں، بلکہ فقط دین کی سر بلندی کی خاطر تھا۔

اٹھارواں قافلہ:۔

یہ قافلہ قباء سے مدینہ منورہ، ادائیگی جمعہ کی غرض سے روانہ ہوا تھا۔ چنانچہ محمد بن حبیب ہاشمی (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ جب سرورِ عالم (ﷺ) مدینہ منورہ تشریف لائے، تو کلثوم بن ہدم (رضی اللہ عنہ) کے ہاں قبا میں قیام فرمایا اور سعد بن خثیمہ کی منزل میں بھی، جس کو غراب منزل کہا جاتا تھا اور پھر لوگوں کے ساتھ بات چیت اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ وہیں قائم کیا۔ آپ قباء سے مدینہ طیبہ کے ارادہ سے جمعہ کے دن نکلے اور نمازِ جمعہ بنی سالم میں ادا فرمائی اور یہ پہلا جمعہ تھا، جو رسول پاک (ﷺ) نے اہلِ اسلام میں ادا فرمایا۔

انیسواں قافلہ:۔

یہ قافلہ حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) کی دعوت کے سلسلے میں روانہ ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ ہم رسول اکرم (ﷺ) کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ میں آپ کے چہرہ انور پر بھوک کے آثار نمایاں دیکھے۔ میرے پاس ایک چھوٹی سے بکری تھی، جو اچھی موٹی تازی تھی، میں نے سوچا کتنا ہی اچھا ہو، اگر ہم اس کو ذبح کر کے حضورِ اکرم (ﷺ) کی دعوت کریں۔

میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ گھر میں جو تھوڑے بہت جو پڑے ہیں، ان کو

پیس کر روٹیاں تیار کرے، چنانچہ اس نے روٹیاں تیار کیں اور میں نے اس بکری کو ذبح کیا اور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے بھون کر سالن تیار کرلیا۔ جب شام ہوئی اور سیدِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گھر لوٹنے کا ارادہ فرمایا اور ہمارا معمول یہی تھا کہ دن کو خندق کھودتے اور شام ہوتی تو گھروں کو لوٹتے۔ تو اس وقت میں نے نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں نے آپ کے لئے ایک چھوٹی سے بکری ذبح کر کے اس کا سالن تیار کیا ہے اور تھوڑے جو تھے، جن کی روٹی پکائی ہے، لہذا میری خواہش ہے کہ آپ میرے ہاں تشریف لے چلیں۔ اور دل میں یہی خیال تھا کہ آپ اکیلے تشریف لائیں۔ بہر حال آپ نے میری درخواست قبول فرمالی اور تشریف آوری کا وعدہ فرمالیا۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ بلند آواز سے اعلان کرے کہ تمام لوگ، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہمراہ حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) کے گھر چلیں۔ میں نے وہ اعلان سنا تو کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تھوڑی دیر بعد رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) تشریف لائے۔ آپ بیٹھ گئے، تو میں نے جو کچھ پکا تھا، حاضر خدمت کردیا۔ آپ نے دعائے برکت فرمائی، بسم اللہ پڑھی اور تناول فرمایا۔ بقیہ حضرات گروہ در گروہ آتے گئے۔ جب ایک جماعت فارغ ہو جاتی، تو دوسری جماعت آجاتی، حتی کہ تمام اہلِ خندق سیر ہو کر وہاں سے لوٹے۔

تبصرہ:۔

اس واقعے سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قلتِ مال ومتاع کو

اختیار کرنا اپنے اختیار سے تھا، ورنہ جب چاہتے، بعطائے الٰہی رزق میں زیادتی کا انتظام فرمالیا کرتے تھے۔

نیز اس سے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی حضور پرنور (ﷺ) سے شدید محبت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بیسواں قافلہ:۔

دین اسلام کی راہ میں جہاد کی غرض سے تھا۔ چنانچہ عبد الرحمٰن بن ابی عمرہ اپنے باپ ابوعمرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے نقل فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ ایک غزوے میں حاضر تھے۔ جب صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو سخت بھوک نے ستایا، تو انہوں نے آپ سے اونٹوں کو ذبح کر کے کھانے کی رخصت طلب کی۔ عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے محسوس کیا کہ فخر دو عالم (ﷺ) نے ان کو بعض جانوروں کے ذبح کرنے کی رخصت دینے کا ارادہ فرمالیا ہے، تو آپ سے عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! اس وقت ہمارا کیا حال ہوگا، جب کل ہم اس حال میں دشمن کے سامنے جائیں گے کہ پیٹ بھی خالی ہوں گے اور سواری بھی پاس نہ ہوگی، بلکہ پاپیادہ ہوں گے۔ لہذا اگر آپ اس رائے کو پسند فرمائیں، تو لوگوں میں اعلان کیا جائے کہ جس کے پاس تھوڑا زادِ راہ ہے، وہ بارگاہِ نبوی (ﷺ) میں حاضر کردے اور جب وہ جمع ہوجائے، تو آپ اس میں برکت کی دعا فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی بدولت، منزلِ مقصود تک پہنچنے کا زادِ راہ عطا فرمادے گا۔''

نبی اکرم (ﷺ) نے اس رائے کو پسند فرمایا، چنانچہ حکم دیا کہ جس کے پاس جتنا زادِ راہ بچا ہوا ہے، وہ میرے پاس لے آئے۔''

کھانے کے سامان کی سب سے زیادہ مقدار ایک صاع (یعنی تقریباً ساڑے چار سیر) تھا۔ آپ (ﷺ) نے اس تمام کھانے کو جمع فرمایا، پھر جو دعا اللہ تعالیٰ کی مشیت میں تھی، وہ آپ کی زبان حق ترجمان پر جاری ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے تمام لشکر کو حکم دیا کہ اپنے اپنے توشہ دان لے آؤ اور ان کو اس جمع شدہ ذخیرے سے بھرتے جاؤ۔"

چنانچہ سب اہلِ لشکر نے اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے، بلکہ لشکر میں کوئی برتن ایسا باقی نہ بچا تھا کہ جسے صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے غلہ سے نہ بھر لیا ہو۔ مگر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ جو زادِ راہ اکٹھا کیا گیا تھا، وہ اتنا کا اتنا ہی تھا، اس میں ذرہ برابر بھی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

جب آپ نے سب کی خوراک کا انتظام فرما دیا اور آپ کی شان اعجازی، خداداد قدرت وطاقت کا کرشمہ ظاہر ہو گیا اور دلیلِ نبوت اور برہانِ حقانیت ہر ایک پر روشن ہو گئی، تو آپ خوشی سے مسکرائے، پھر ہنسے، حتی کہ سامنے والے دانت مبارک داڑھوں تک ظاہر ہو گئے۔ اور آپ نے فرمایا، اشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں)۔ پھر فرمایا، جو مؤمن یہ دونوں شہادتیں یعنی شہادتِ توحید اور شہادتِ رسالت دے کر فوت ہوا، تو قیامت کے دن اس کو آگ سے دور رکھا جائے گا، بلکہ اس کی نگاہ سے بھی اوجھل رکھا جائے گا۔

☆ حضرت ابو ایاس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ ہم ایک غزوہ میں سیدِ عالم (ﷺ) کے ہمراہ تھے۔ ہمیں بھوک نے مشقت میں ڈال دیا، حتی کہ ہم نے

سواریوں کی قلت اور سخت ضرورت کے باوجود ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کرلیا۔ نبی اکرم (ﷺ) نے جب یہ صورتِ حال دیکھی، تو (ہمارے حالِ زار پر رحم کھاتے ہوئے) فرمایا کہ جس کے پاس جتنا زادِ راہ ہے، وہ لے آؤ۔''...آپ کے حکم پر دستر خوان بچھایا گیا اور سارا غلہ وغیرہ اس پر جمع کر دیا گیا۔ میں نے گردن اونچی کر کے جھانکا اور دیکھا کہ کس قدر جمع ہوا ہے، تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس کا حجم صرف اتنا تھا جتنا کہ بکری کا حجم ہوتا ہے، جب وہ سونے کے ارادے سے سر پاؤں پر رکھ کر اور چاروں پاؤں اکٹھے کر کے زمین پر بیٹھ جائے، جب کہ کھانے والے چودہ سو افراد تھے (اور صرف ایک وقت کا کھانا درکار نہیں تھا، بلکہ گھروں کو واپس ہونے تک کا کھانا مطلوب تھا) الغرض جمع ہونے کے بعد سرکارِ دو عالم (ﷺ) نے دعائے برکت فرمائی، پھر ہم سب جمع ہو کر کھانے بیٹھ گئے اور جب سیر ہو گئے، تو بقیہ کو اپنے توشہ دانوں میں بھر لیا۔

تبصرہ:۔

پہلے واقعے سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو پختہ یقین تھا کہ رحمتِ عالم (ﷺ) کی دعا کی برکت سے مشکلات ضرور دور ہوتی ہیں۔

نیز اس واقعے کو رحمتِ کونین (ﷺ) کی عاجزی وانکساری پر بطورِ دلیل پیش کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کسی ماتحت کی رائے کو قبول کر لینا، بغیر نجاتِ تکبر کے ممکن نہیں۔

نیز اس واقعے سے کھانا سامنے رکھ کر قرآن وغیرہ اذکارِ مبارکہ پڑھنے اور اس کی وجہ سے کھانے میں برکت کے اضافے کا بھی واضح ثبوت ہے۔

یونہی دوسرے واقعے سے بھی سید الکونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بے مثل فضیلت کا اظہار ہوتا ہے۔

نیز یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے دین کی خاطر ہر لحہ سخت ترین تکالیف کو برداشت کیا، لیکن نہ تو رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ چھوڑا اور نہ ہی زبان پر شکوہ شکایت جاری ہوا، معلوم ہوا کہ وہ نفوس قدسیہ راضی برضائے الٰہی رہا کرتے تھے اور انہوں نے اپنے عیش وآرام کو آخرت کے بدلے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کو وہ مراتب حاصل ہوئے، جو اب تا قیامت کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے۔

اکیسواں قافلہ:۔

یہ قافلہ حضرت ابو طلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے گھر روانہ ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنی زوجہ ام سلیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز میں ضعف محسوس کیا ہے، میرا غالب گمان ہے کہ آپ کو سخت بھوک لگ رہی ہے، کیا تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟... انہوں نے کہا، "ہاں، جو کی چند روٹیاں ہیں۔" فرمایا، وہی روٹیاں بارگاہِ رسالت میں بھیج دو۔" ام سلیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے وہ روٹیاں نکالیں اور اپنے دوپٹے میں لپیٹ کر اسے میری بغل میں چھپا کر دوسرا حصہ میرے اوپر ڈال دیا۔ پھر مجھے بارگاہِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہدیہ کرنے کی ہدایت کر دی۔ جب میں حاضر ہوا، تو آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ کے اردگرد بہت سے صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی بیٹھے تھے۔ میں قریب جا کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ حبیب

پاک، صاحبِ لولاک (ﷺ) نے فرمایا، اے انس! تجھے ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟... میں نے عرض کیا، جی ہاں۔"... فرمایا، کھانا دے کر بھیجا ہے؟" میں نے عرض کی، "جی ہاں!" یہ سنتے ہی آپ نے تمام حاضرین سے فرمایا، اٹھو! ابوطلحہ کے ہاں تمہاری دعوت ہے۔"

آپ مسجد سے باہر نکلے، تو میں آپ سے پہلے دوڑتا ہوا حضرت طلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس پہنچا اور انہیں تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے گھبرا کر حضرت ام سلیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے فرمایا، "اے ام سلیم! اللہ کے حبیب (ﷺ) تو بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ لا رہے ہیں اور ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں جو ان کو کھلائیں۔"... انہوں نے جواب دیا، اللہ عزوجل اور اس کا رسول (ﷺ) بہتر جانتے ہیں۔"

حضرت ابوطلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) استقبال کے لئے گھر سے باہر نکلے اور راستے میں رسول اکرم (ﷺ) سے جا ملے۔ پھر آپ اور ابوطلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) گھر میں داخل ہوئے۔ رحمتِ عالم (ﷺ) نے فرمایا، "اے ام سلیم! جو کچھ تیرے پاس موجود ہے، وہ لے آ۔" انہوں نے وہی چند روٹیاں خدمتِ اقدس میں حاضر کر دیں۔ آپ نے حکم دیا کہ انہیں چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ ان کو ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ پھر آپ نے اس پر گھی کا ایک مشکیزہ انڈیلا اور ان کو تر کر دیا۔ اس کے بعد نبی پاک (ﷺ) نے اس پر وہ کچھ پڑھا، جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ پھر فرمایا، "اے ابوطلحہ! دس دس آدمیوں کو اندر بلاتے جاؤ۔" چنانچہ انہوں نے دس افراد کی جماعت کو بلایا، وہ کھا کر اور سیر ہو کر چل دیئے، تو دوسروں کو بلایا، حتیٰ کہ سبھی

لوگ سیر ہو کر واپس ہو گئے (اور وہ کھانا اسی طرح موجود تھا) حالانکہ کھانے والوں کی تعداد اسی (80) تھی۔

تبصرہ:۔

سبحان اللہ! تعداد اسی کیا، اسی ہزار ہوتی، تب بھی یہ کھانا کم نہ پڑتا، کیونکہ دینے والا اللہ تبارک وتعالیٰ اور دلوانے والے رسول اکرم (ﷺ) تھے۔ نہ دینے والی ذات کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی اور نہ دلوانے والا بخل و کنجوسی میں گرفتار۔ چنانچہ نتیجہ وہی نکلنا تھا، جس کو واقعے میں بیان کیا گیا۔

نیز اس واقعے سے ضمناً کھانے سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک کرنے اور اس کی برکت سے برکات حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔ اس سے مسلمانوں میں رائج فاتحہ خوانی و نیاز کا ثبوت و جواز حاصل ہوتا ہے۔

نیز اس سے رسول کریم (ﷺ) کے علم غیب کا ثبوت بھی حاصل ہوا۔ کیونکہ آپ نے حضرت انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ان کے آنے کا مقصد بیان فرما دیا تھا۔

بائیسواں قافلہ:۔

یہ قافلہ بھی دین اسلام کی ترقی و سربلندی کی غرض سے اپنی آسائشیں ترک کر کے محوِ سفر تھا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ ہم تیس آدمی حضور اکرم (ﷺ) کے ہمراہ تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا، ''کیا تم میں سے کسی کے پاس کچھ کھانا ہے؟... تلاش کے بعد ایک آدمی کے پاس صرف ایک

صاع (تقریباساڑھے چارسیر) کے قریب آٹا ملا۔ اسی کو گوندھ لیا گیا۔ اتنے میں ایک مشرک دراز قد پراگندہ بال، بھیڑ بکریوں کو ہانکتا ہوااس طرف آنکلا۔ نبی کریم (ﷺ) نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا کوئی بکری قیمتاً یا بطورِعطیہ وہدیہ دے گا؟....اس نے عرض کیا، قیمت سے لے لیں۔" آپ نے اس سے ایک بکری خرید فرمائی، اسے ذبح کر کے گوشت تیار کیا گیا۔ رسول اکرم (ﷺ) نے حکم فرمایا، اس کی کلیجی کو الگ بھونا جائے۔"

حضرت عبدالرحمٰن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں، "خدا کی قسم! سرکارِ مدینہ (ﷺ) نے اس بکری کی کلیجی کے ایک سوتیس (130) ٹکڑے کئے۔ جو حضرات موجود تھے، ان کو اسی وقت کھلایا اور جو موجود نہیں تھے، ان کے حصے کا رکھوادیا گیا۔ پھر اس بکری کا گوشت پکا کر دو تھالوں میں ڈال دیا گیا۔ ہم سب نے اس کو کھایا، حتی کہ اچھی طرح سیر ہو گئے اور ابھی بھی گوشت پیالوں میں موجود تھا۔ چنانچہ اس کو اپنے ہمراہ مدینہ طیبہ لے آئے۔

تبصرہ:۔

یہ قافلہ بھی دین کی خاطر رسول اکرم (ﷺ) اور صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے سفرِ مسلسل اور جدوجہدِ پیہم کی خبر دے رہا ہے۔ نیز اس میں بھی رسول خدا (ﷺ) نے ثابت فرمایا کہ اگر آپ چاہیں، تو نہ صرف خود، بلکہ اپنے اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے لئے بھی غیب سے رزق حاصل کر کے ظاہری تمام تکالیف کو دور کر سکتے ہیں، لیکن چونکہ دین اسلام کی راہ میں تکالیف سہہ کر درجات کی بلندی کا

حصول اللہ عزوجل کو محبوب ہے، لھذا رضائے رب العلی اور آنے والی نسلوں کی تعلیم کی غرض سے سوائے صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی شدید حاجت کے عام حالات میں اس کا اظہار نہ فرمایا۔

تئیسواں قافلہ:۔

یہ قافلہ بھی دین اسلام کا نام بلند کرنے کی غرض سے چلا تھا۔ چنانچہ حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ ہم حبیبِ خدا (ﷺ) کے ساتھ نکلے، آپ نے بنی عبدالمطلب کو بلایا، پھر ایک پیالہ دودھ کا منگوایا اور ان سب کو پینے کا حکم دیا۔ بحسبِ حکم، سب نے پیا حتیٰ کہ اچھی طرح سیراب ہو گئے اور وہ دودھ پھر بھی اسی طرح بچا رہا گویا کہ اس کو کسی نے پیا ہی نہیں، بلکہ ہاتھ تک نہیں لگایا۔ تب آپ نے فرمایا،'' اے بنی عبدالمطلب ! میں بالخصوص تمہاری طرف مبعوث ہوا ہوں اور بالعموم تمام لوگوں کی طرف اور تم نے میرے معجزات کا مشاہدہ کر لیا ہے، تو اب تم میں سے کون ہے، جو ایمان واسلام کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کرلے اور میرا بھائی اور مصاحب بنے ؟....راوی کہتے ہیں، فرمان رسول (ﷺ) کے جواب میں، ان میں سے کوئی بھی شخص آپ کی طرف بیعت کرنے کے لئے نہ اٹھا۔

جب میں نے یہ دیکھا، تو میں اٹھا، حالانکہ میں سب سے چھوٹا تھا اور عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں عہد ایمان واسلام پر آپ کے دستِ اقدس پر بیعت کرتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا،'' بیٹھ جاؤ۔'' اور دوبارہ بنی عبدالمطلب کو دعوتِ اسلام وایمان دی اور بیعت کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اب کی مرتبہ بھی کوئی نہ اٹھا۔ یونہی تیسری بار بھی ہوا، لیکن میں ہر بار اٹھتا اور بیعت کے لئے عرض کرتا، آپ فرماتے، تم

بیٹھ جاؤ۔ جب میں تیسری بار اٹھا اور بیعت کے لئے عرض کیا، تو آپ نے اپنا دستِ اقدس میرے ہاتھ پر رکھا اور مجھے شرفِ بیعت سے مشرف فرمایا۔

تبصرہ:۔

اس واقعے میں تبلیغ دین کا حکیمانہ طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر کسی کو نیکی کی دعوت دینا مقصود ہو اور قلبی خواہش ہو کہ وہ ہماری دعوت کو نہ ٹالے، تو اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ پہلے اسے کچھ کھلایا پلایا جائے.. یا.. کسی قسم کا تحفہ دے کر مدعا بیان کیا جائے۔ احسان مند ہونے کے بعد عموماً بات ٹالنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔

یہ ان لوگوں کی بدبختی تھی کہ دعوتِ رسول (ﷺ) قبول نہ کی، ورنہ اس طریقے کے کارگر و مؤثر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ راقم نے اس کا بارہا تجربہ کیا، تقریباً ہمیشہ کامیابی ہوئی۔

چوبیسواں قافلہ:۔

یہ قافلہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر محوِ سفر تھا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ مجھے تین صدمے لاحق ہوئے۔ ایک رسول کریم (ﷺ) کی جدائی کا، دوسرا حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مظلومانہ شہادت کا اور تیسرا زنبیل (ایک تھیلے) کا صدمہ۔

حاضرین نے دریافت کیا کہ وہ کیسی زنبیل تھی؟... (جس کے صدمہ کو اتنا عظیم صدمہ قرار دیا کہ حبیب خدا (ﷺ) کے وصال اور حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جیسے مظلوم کی شہادت کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے) آپ نے فرمایا، ہم رسول معظم (ﷺ) کے ہمراہ شریکِ

سفر تھے ۔ راستے میں سخت بھوک محسوس ہوئی ۔آپ نے دریافت فرمایا، اے ابوہریرہ! تمہارے پاس کھانے کی کوئی شے ہے ؟... میں نے عرض کی، جی ہاں، میری زنبیل میں تھوڑی سی کھجوریں ہیں ۔"... آپ نے فرمایا، "وہی لے آؤ۔" میں نے کھجوریں آپ کی خدمت میں حاضر کیں ۔آپ نے اپنا دستِ اقدس زنبیل میں داخل فرما کر ایک مٹھی کھجور نکالیں اور ان کو اپنے سامنے پھیلا دیا۔ پھر فرمایا، دس آدمیوں کو میرے پاس بلاؤ۔"... میں نے ارشادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعمیل کرتے ہوئے دس آدمیوں کو بلایا۔ آپ نے ان کو کھانے کا حکم دیا۔ انہوں نے کھایا، حتیٰ کہ سیر ہو کر چل دیئے۔

پھر آپ نے ایک اور مٹھی کھجوروں کی نکالی اور اپنے سامنے پھیلا کر حکم فرمایا کہ دس مزید آدمی اور بلا کر لاؤ۔"... میں نے حسب الحکم دس آدمی بلائے ۔ وہ بھی حاضر ہوئے اور کھجوریں کھا کر سیر ہو کر واپس ہوئے ۔ پھر آپ اسی طرح نکالتے رہے اور دس دس کے گروہ کو بلا کر کھلاتے رہے، حتیٰ کہ سارا لشکر کھا کر اور سیر ہو کر واپس ہوا۔

پھر مجھے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ لائے تھے، وہ لے جاؤ (یعنی ہم نے تمہاری زنبیل میں کوئی کمی نہیں کی ہے) اور اس میں سے بقدرِ ضرورت کھجوریں ہاتھ ڈال کر نکال لینا اور اسی صورت پر اکتفاء کرنا، ساری زنبیل کو نہ انڈیل دینا۔"

آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے زنبیل ہاتھ میں لی، تو وہ پہلے سے زیادہ بھری ہوئی تھی ۔ میں اس میں سے نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ظاہری حیات میں بھی کھاتا اور کھلاتا رہا، حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی ساری زندگی یہی صورتِ حال رہی اور حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی زندگی مبارک اور دورِ خلافت میں

بھی اس غیبی خزانہ سے اسی طرح استفادہ کرتا رہا۔لیکن جب آپ شہید ہوئے ،تو میرے گھر کولوٹ لیا گیا اور اسی میں وہ زنبیل بھی چلی گئی۔

☆ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ایک غزوہ میں شامل تھے۔ جب ان کو کھانے کے معاملے میں عجز و مجبوری لاحق ہوئی ،تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا، اے ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! کیا تیرے پاس کھانے کی کوئی شے ہے؟... میں نے عرض کیا،'' جی ہاں! میری زنبیل میں چند کھجوریں ہیں۔'' آپ نے فرمایا کہ وہی لے آؤ۔ میں نے وہ کھجوریں لاکر دستر خوان پر رکھ دیں۔آپ نے دستِ اقدس زنبیل میں ڈالا اور ایک مٹھی کھجوروں کی نکالی جو کہ اکیس کھجوریں تھیں۔ پھر آپ نے بسم اللہ پڑھی اور بالترتیب ان کو دست اقدس میں لینا شروع فرمایا اور جو کھجور بھی رکھتے، ساتھ ہی بسم اللہ بھی پڑھتے جاتے۔ پھر مجھے حکم دیا کہ فلاں فلاں صحابی کو بلاؤ۔'' میں نے حسب الارشاد ان صحابیوں کو مع ان کے ساتھیوں کے بلایا۔آپ نے انہیں کھانے کے لئے کہا،سب نے کھایا اور سیر ہو کر چلے گئے ۔ پھر دوبارہ آپ نے فرمایا، فلاں صحابی کو ان کے ساتھیوں سمیت بلاؤ۔ چنانچہ میں نے انہیں بلایا اور وہ بھی سیر ہو کر نکل گئے۔

ان سب کے کھانے کے باوجود بھی وہ کھجوریں بچ رہیں، تب آپ نے مجھے فرمایا کہ بیٹھو۔ میں بیٹھ گیا۔آپ نے فرمایا کھاؤ۔ میں نے کھائیں اور آپ نے بھی تناول فرمائیں۔ پھر بھی بچ گئیں،تو آپ نے انہیں میری زنبیل میں ڈال دیا اور فرمایا، اے ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جب تو کھانے کا ارادہ کرے، تو ہاتھ ڈال کر اندر سے نکال لینا، اسے انڈیلنا مت، ورنہ خیر و برکت کم ہو جائے گی۔''

فرماتے ہیں کہ جب میں کھجوریں کھانے کا ارادہ کرتا، تو ہاتھ ڈال کر بقدرِ ضرورت نکال لیتا۔ میں نے اس میں سے پچاس وسق (تقریباً تین سو من) راہِ خدا میں خیرات کئے اور یہ رحل اور پالان کے پیچھے لٹکی رہتی اور حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے زمانہ شہادت میں وہ زنبیل چوری ہوگئی۔

تبصرہ:۔

تھیلی کے گم ہونے پر حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا غمگین ہونا اور اسے سانحہ عظیمہ قرار دینا بالکل درست تھا، کیونکہ رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے رزق حلال کا دائمی غیبی انتظام یقیناً ایک بہت بڑا تحفہ تھا، جس کا حاصل ہو جانا سعادت مندی کی علامات میں شمار ہونا چاہیئے۔

نیز اس کی ایک وجہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے، صدقہ وخیرات کے ذریعے، حاصل ہونے والے درجات وثواب کا سلسلہ رک جانا بھی تھا۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ سید الانبیاء (ﷺ) نہ صرف وقتی ضرورت پوری کرنے پر قادر تھے، بلکہ بعطائے الٰہی پوری زندگی کا زادِ راہ بھی عطا کر سکتے تھے۔

پچیسواں قافلہ:۔

یہ قافلہ تقویتِ دین کی غرض سے جانب منزل رواں دواں تھا۔ چنانچہ حضرت عمران بن حصین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول کریم (ﷺ) کے ساتھ تھے۔ چونکہ ہم نے ساری رات سفر جاری رکھا تھا، چنانچہ رات کے آخری حصے میں نیند سے مجبور ہو کر سو گئے۔ یقیناً مسافر کے لئے اس وقت کی نیند سے پیاری کوئی شے نہیں ہوتی۔

پھر ہمیں سورج کی دھوپ نے بیدار کیا۔ سب سے پہلے ابورجاء (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نامی شخص بیدار ہوا۔ پھر امیر المؤمنین حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بیدار ہوئے۔ سرکارِ مدینہ (ﷺ) ابھی تک خوابِ استراحت میں تھے۔ جب آپ آرام فرما رہے ہوتے، تو ہم آپ کو بیدار نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ خود بیدار نہ ہو جائیں۔ کیونکہ ہم جانتے تھے کہ نہ جانے نیند میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا تعلیم و تربیت فرمائی جارہی ہو اور کیا کیا علوم و معارف القاء کئے جا رہے ہوں۔

جب حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بیدار ہوئے اور نماز قضا ہو جانے کی وجہ سے لوگوں کا اضطراب دیکھا، نیز آپ صحت مند بھی تھے اور مافی الضمیر کے اظہار میں جلدی کرنے والے بھی، تو انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کر دیا، حتی کہ حبیب خدا (ﷺ) خوابِ استراحت سے بیدار ہو گئے۔

صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے آپ کی بارگاہ میں نماز کے معاملے میں ہونے والی کوتاہی کے بارے میں عرض کیا۔ آپ نے انہیں دلاسا دیا اور کوچ کرنے کا حکم دیا اور تھوڑی دور جا کر پڑاؤ ڈالا۔ وضو کے لئے پانی طلب فرمایا، وضو کرنے کے بعد اذان دی گئی اور پھر آپ نے صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو نماز پڑھائی۔

جب نماز سے فارغ ہوئے، تو ایک آدمی کو دیکھا، جو الگ تھلگ کھڑا تھا اور باجماعت نماز ادا نہیں کی تھی۔ آپ نے فرمایا اے فلاں! تجھے قوم کے ساتھ نماز ادا کرنے میں کون سا امر مانع ہوا ہے؟.... اس نے عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! مجھے غسل کی حاجت درپیش تھی اور پانی موجود نہیں تھا، لہذا میں نماز نہیں پڑھ سکا۔ آپ نے فرمایا، پاک مٹی سے تیمم کر اور نماز پڑھ لے۔"

پھر آپ وہاں سے روانہ ہوئے، تو صحابہ نے آپ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی۔ آپ اپنی سواری سے نیچے اترے اور ایک شخص کا نام لے کر بلایا، جس کا نام ابو رجاء تھا اور ساتھ ہی حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بھی بلایا (جب دونوں حاضر ہو گئے) تو ان کو فرمایا، ہمارے لئے اطراف میں پانی تلاش کرو۔''.... حکم سن کر وہ دونوں حضرات چلے گئے اور تلاش شروع کر دی۔

کچھ دیر بعد ان کو راستے میں ایک عورت ملی، جو اونٹنی پر سوار تھی، دو پانی سے بھری بڑی مشکیں اوپر رکھی تھیں اور خود درمیان میں بیٹھی تھی۔ اس سے دریافت کیا کہ پانی کہاں ہے اور کتنی دور ہے؟.... اس نے کہا، میں کل اسی وقت پانی لے کر چلی ہوں اور ہمارا قافلہ پیچھے ہے۔''.... ان دونوں نے اس عورت سے کہا، پھر تم ہی چلو۔''... اس نے پوچھا کدھر چلوں؟... انہوں نے فرمایا، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں۔'' اس نے کہا کہ وہ شخص جس کو لوگ صابی (یعنی قوم کے دین سے الگ ہو جانے والا) کہتے ہیں؟... انہوں نے فرمایا، جو ہستی تو نے سمجھی ہے، ہماری مراد وہی ہے، لہذا چلو۔

وہ عورت ساتھ چلنے پر رضا مند ہو گئی۔ چنانچہ اس کو بارگاہِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لے آئے اور پانی کی دوری کے متعلق عرض کیا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے اس کو اونٹ سے اترنے کے متعلق کہا اور مختارِ خزائن خداوندی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے برتن طلب فرمایا اور دونوں مشکیزوں کا منہ کھول کر اس میں پانی پلٹا، پھر ان کے منہ بند کر کے نچلے دہانے کھولے گئے اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ آؤ پانی پیو اور جانوروں کو پلاؤ۔ جس نے چاہا جانوروں کو پلایا، خود پیا اور آخر میں اس شخص کو پانی کا برتن بھر دیا، جس کو غسل کی حاجت تھی اور حکم فرمایا کہ جا کر اس کے ساتھ غسل کرو۔''

وہ عورت کھڑی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے۔

عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ جب پانی انڈیلنے کا سلسلہ ختم ہوا اور ہر ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوگئی، تو ان مشکیزوں کے دہانے باندھ دیئے گئے اور ہمیں یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ پہلے کی نسبت زیادہ بھری ہوئی ہیں۔

پھر سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حکم فرمایا کہ اس عورت کے لئے سامانِ خورد ونوش جمع کرو۔" چنانچہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے عجوہ جیسی عمدہ کھجوریں، گندم کا آٹا اور ستو اکٹھا کیا، حتیٰ کہ بہت سا غلہ جمع ہوگیا، پھر اسے کپڑے میں باندھا اور عورت کو اونٹ پر سوار کر کے وہ گٹھڑی اس کے آگے رکھ دی گئی۔

پھر رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس عورت سے فرمایا، "اس بات کا یقین رکھ کہ ہم نے تیرے پانی میں سے ایک بوند بھی کم نہیں کی، بلکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے سیراب فرمایا ہے۔"

حضرت عمران (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) فرماتے ہیں کہ وہ عورت اپنے گھر دیر سے پہنچی، تو گھر والوں نے تاخیر کا سبب پوچھا، اس نے کہا کیا پوچھتے ہو، میں نے ایک عجیب معاملہ دیکھا ہے کہ مجھے دو آدمی ملے، جو مجھے اس ہستی کے پاس لے گئے، جن کو صابی کہا جاتا ہے، انہوں نے میرے پانی کے ساتھ یہ یہ معاملہ کیا اور جب میں نے پانی کو دیکھا، تو پہلے سے زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ بخدا! یا تو وہ آسمان وزمین کی مخلوق میں سب سے بڑے جادوگر ہیں.. یا.. پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

حضرت عمران فرماتے ہیں کہ جب صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کفار ومشرکین پر حملہ فرماتے، تو اس عورت کے قبیلے کے آس پاس حملہ آور ہوتے، مگر ان کے ساتھ کوئی

تعرض نہ کرتے۔

ایک دن اس عورت نے اپنی قوم سے کہا، ''میرے خیال میں قومِ مسلم تمہیں جان بوجھ کر اپنے حملوں سے محفوظ رکھے ہوئے ہے اور میری وجہ سے تمہاری رعایت کر رہی ہے، کیا تمہارے لئے اسلام میں کوئی وجہِ رغبت ومیلان نہیں ہے؟...تمام اہلِ قبیلہ نے اس کی اس بات کا گہرا اثر قبول کیا اور اس کی اطاعت کرتے ہوئے اسلام قبول کرلیا اور اہلِ اسلام کے حلقہ میں داخل ہو گئے۔

تبصرہ:۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! سبحان اللہ! محبوب خدا (ﷺ) کی برکات ورحمت ملاحظہ فرمائیں۔غیب سے پانی کا انتظام کیا،لیکن پھر بھی عورت پر اتنی کرم نوازی فرمائی۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ من جانب اللہ پہلے ہی اس قبیلے کی ہدایت کا اشارہ ہو چکا تھا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے سابقہ واقعات کی طرح اپنے لشکر سے پانی طلب نہیں فرمایا، بلکہ دو صحابہ کو خصوصاً اس کی تلاش کے لئے روانہ کیا اور یہی تلاش عورت کے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے اور اس کے اور پورے قبیلے کے داخل اسلام ہونے کا سبب بن گئی۔

یقیناً صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا اس قبیلے سے اعراض کرنا اور اس پر حملے سے باز رہنا، ہدایاتِ رسول (ﷺ) کی روشنی میں وقوع پزیر ہوا تھا،جس سے رسول اللہ (ﷺ) کی بے مثل حکمت اور لوگوں کی نفسایت سے مکمل معرفت کا علم حاصل ہوتا ہے۔رہنما اگر صاحبِ حکمت ہو،تو اسی طرح برکات ظہور پزیر ہوتی ہیں، بصورتِ

دیگر......

چھبیسواں قافلہ:۔

یہ قافلہ عمرے کی غرض سے مکے میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت براء بن عازب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ ہم حدیبیہ والے کنویں پر پہنچے، اس میں جتنا پانی تھا، وہ فوراً خالی کرلیا گیا اور پانی پینے والوں کی تعداد چودہ سو تھی (جب پانی کی قلت اور پیاس کی شدت کا حال نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں پیش کیا گیا) تو آپ نے ایک ڈول پانی نکالنے کا حکم دیا، پھر دہن اقدس میں تھوڑا سا پانی لے کر اس کی کلی، کنویں میں ڈال دی اور دعائے برکت فرمائی۔ حضرت براء بن عازب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ (لعابِ دہن اقدس اور اس دعا کی برکت سے کنویں کا پانی اتنا زیادہ ہوگیا کہ) ہم خود بھی سیراب ہوئے اور اپنے جانوروں کو بھی سیراب کیا۔

تبصرہ:۔

سبحان اللہ! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب چاہتے، صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی مشکلات کو فوراً حل کر دیا کرتے تھے اور یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے حکم اور رضا کے مطابق تھا۔ چنانچہ اگر کوئی اب بھی صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مثل، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں فریاد کرے، تو آپ اس پر کرم نوازی ضرور فرماتے ہیں۔

ستائیسواں قافلہ:۔

یہ بھی عمرے کی غرض سے جانے والے قافلے کا ہی واقعہ ہے۔ چنانچہ مسعود

بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے مروی ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ہمراہ نکلے۔ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے، تو (بیت اللہ کے ہدیہ) کے جانوروں کے گلے میں ہار ڈالے اور نیزے کے ساتھ اونٹوں کی کوہانوں کے قریب معمولی سے زخم لگائے (تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو کہ یہ بیت اللہ کے لئے ہدیہ ہیں) اور عمرہ کا احرام باندھا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیت اللہ شریف اور مکہ مکرمہ کو جانے والے معروف راستے سے لے جانے کی بجائے حدیبیہ والی راہ پر چلنے کا حکم دیا اور حدیبیہ میں پہنچ کر ایک قلیل پانی والے کنویں پر پڑاؤ ڈالا۔ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) تھوڑا تھوڑا پانی حاصل کرتے رہے، حتیٰ کہ تھوڑی دیر میں پورا پانی ختم ہو گیا۔

صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے بارگاہِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اس کو کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا۔ جب حسب الارشاد اس تیر کو کنویں میں پھینکا گیا، تو بخدا! پانی کنویں کی تہہ سے جوش وخروش کے ساتھ چشمہ کی مانند ابلنے لگا اور جب تک آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے وہاں پڑاؤ ڈالے رکھا، وہ کنواں پانی کے ساتھ فوارہ کی مانند جاری رہا، یہاں تک کہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) وہاں سے لوٹے۔

تبصرہ:۔

یہاں یہ امر بے حد قابل توجہ ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے پیاس کی درخواست اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرنے کے بجائے، بارگاہِ رسالت

(ﷺ) میں کیوں پیش فرمائی۔ یقیناً اگر اللہ تعالیٰ کسی سے طلبِ امداد ناجائز ہوتی، تو سید الانبیاء (ﷺ) پر فرض تھا کہ اس معاملے میں صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو توبہ کرواتے اور صحیح ادب سکھاتے، لیکن آپ تنبیہ و تعلیم کے برعکس، ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے آسانی کا سامان کیا، جس سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ اگر اس یقین کے ساتھ کسی مقربِ بارگاہ الٰہی سے طلبِ امداد کی جائے کہ دینے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے، لیکن یہ ذات فقط ایک وسیلہ ہے، تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ غیبی خزانے کے حصول کے لئے سرکار (ﷺ) کا خود کوئی عمل اختیار کرنا ضروری نہ تھا، بلکہ آپ کے حکم سے دوسروں کا عمل بھی اس کا سبب بن سکتا تھا۔ جیسا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں سے کسی نے آپ کے حکم پر تیر پھینکا اور مطلوبہ نتیجہ حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی۔

اٹھائیسواں قافلہ:۔

یہ قافلہ بھی غالباً اسی غرض سے روانہ ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت براء بن عازب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں نبی کریم (ﷺ) کے ہمراہ تھے۔ راستے میں ایک کنویں پر پہنچے، جس میں قلیل پانی تھا۔

پانی حاصل کرنے کے لئے چھ آدمی اس میں اترے، جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ جب ہم نیچے اتر چکے، تو ہماری طرف ایک ڈول لٹکایا گیا۔ رسول اکرم (ﷺ) کنویں کے کنارے پر تشریف فرما تھے۔ ہم نے ڈول میں جو پانی جمع کیا، وہ نصف بلکہ تہائی ڈول ہوگا۔ ہم نے اسے نبی اکرم (ﷺ) کی طرف بلند کر دیا۔ آپ نے اس میں اپنا دست اقدس ڈبو دیا اور جو اللہ تعالیٰ نے چاہا پڑھا۔ پھر اس کو پانی

سمیت ہماری طرف بڑھا دیا۔ ہم نے اس پانی کو کنویں میں انڈیل دیا۔ جوں ہی وہ پانی کنویں میں پہنچا، تو اس جوش وخروش سے فوراہ دار پانی کو اگلنے لگا کہ ایک جاری نہر کی مانند معلوم ہوتا تھا۔ ہم جلدی جلدی باہر نکلے اور آخری شخص کو کپڑے کی مدد سے باہر کھینچا کہ کہیں پانی ہی میں نہ ڈوب جائے۔

تبصرہ:۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے رزق بڑھانے کے مختلف طریقے اختیار فرمائے اور ہر طریقہ اپنی جگہ بالکل مکمل اور مطلوبہ نتیجہ فراہم کرنے والا تھا۔

انیتسواں قافلہ:۔

یہ قافلہ اسلام قبول کر کے برکاتِ رسول (ﷺ) کے معائنے کے لئے روانہ ہوا تھا۔ چنانچہ زیاد بن حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے منقول ہے کہ میں نبی اکرم (ﷺ) کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کے دستِ اقدس پر بیعتِ اسلام کی۔ پھر میری قوم کا وفد حاضر ہوا، جو خود بھی مسلمان ہوا اور اپنی قوم کے مسلمان ہونے کی خوشخبری بھی لایا۔

پھر انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! ہمارا ایک کنواں ہے، جب موسمِ سرما ہو، تو اس کا پانی ہمیں کافی رہتا ہے اور ہم اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن جب گرمی کا موسم ہو، تو اس کا پانی کم ہو جاتا ہے اور ہم پانی کی تلاش میں ادھر ادھر منتشر ہو جاتے ہیں، جس کے باعث ہماری جماعت پراگندہ ہو جاتی

ہے۔اب اسلام لانے کے بعد ہم متفرق ہو کر گزارا نہیں کر سکتے، کیونکہ اطراف واکناف کے تمام لوگ ہمارے دشمن ہیں، لہذا بارگاہِ خداوندی میں ہمارے لئے دعا کریں کہ اس کا پانی ہماری قوم کو کافی ہو جائے۔''

ان کی اس درخواست پر رسول اللہ (ﷺ) نے سات کنکریاں طلب فرمائیں، پھران کو دستِ اقدس پر الگ الگ رکھا اوران پر دعائے برکت فرمائی اور حکم دیا کہ جب اس کنویں پر پہنچو، تو (اللہ کا نام لے کر) یہ کنکریاں ایک ایک کر کے اس میں ڈالتے جانا۔ چنانچہ جب انہوں نے آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا، تو اس کے بعد انہیں کبھی بھی کنویں کی تہہ دیکھنے کا موقع نہ ملا۔

تبصرہ:۔

سبحان اللہ! معلوم ہوا کہ بوسیلۂ سرکارِ نامدار (ﷺ) غیب سے فراہم کیا گیا پانی، ساری زندگی کے لئے کافی ہو گیا۔

(6) اعلان نبوت اور ہجرت کے بعد ایسے قافلے جن میں آپ نے بذاتِ خود شرکت نہ فرمائی:۔

پہلا قافلہ:۔

یہ قافلہ اہل بیت رسول (ﷺ) کو مدینہ منورہ لانے کی غرض سے روانہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ رسول اکرم (ﷺ) نے زید بن خارجہ اور ابورافع (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دو اونٹ اور پانچ سو درھم دے کر مکہ مکرمہ روانہ کیا۔ وہ دونوں، حضرت فاطمہ، ام کلثوم، حضرت سودہ اور اسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

کو مدینہ منورہ لے آئے۔ نیز حضرت عبداللہ بن ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اہل وعیال کو جن میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی تھیں، ہمراہ لائے۔ جب یہ نفوس قدسیہ مدینہ منورہ پہنچے، تو آپ نے ان کو جاریہ بن نعمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے گھر ٹھہرایا۔

تبصرہ:۔

اس مختصر سے واقعے میں بھی دین کی خاطر گھر بار اور قلبی سکون و قرار ترک کر دینے کا ذکر ہے۔ مردوں کی بنسبت عورتوں میں جذباتی لگاؤ زیادہ پایا جاتا ہے، لھذا اپنا آبائی شہر چھوڑ کر کسی اور جگہ جانا، ان کے لئے زیادہ آزمائش کا سبب بنتا ہے۔ لیکن الحمدللہ! ہماری اکابر خواتین بھی اس معاملے میں مردوں سے کسی بھی طرح پیچھے نظر نہیں آتی تھیں۔

لھذا معلوم ہوا کہ اسلام کی سربلندی میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی قربانیوں کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔

جب ان قافلوں مین پوشیدہ مقصودِ الٰہی بخوبی معلوم ہو گیا، تو اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پہلو پر بھی گہری نظر سے غور کیا جائے کہ ہمیں بھی ان مقاصد کی غرض سے کچھ نہ کچھ عملی قدم ضرور اٹھانا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مقصود، یقیناً ایک ایسا امر ہے جسے اس نے معرض وجود میں لانے کے لئے منتخب فرمایا ہے اور انتخابِ الٰہی کی خوبیوں اور اس میں پوشیدہ کثیر حکمتوں کا کون بیوقوف انکار کر سکتا ہے؟....

لھذا ہر مسلمان بھائی، بہن کو چاہیئے کہ اپنی پوری زندگی میں جتنا ہو سکے،

حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظمت ومحبت کو دوسروں کے قلوب میں بیدار کرنے اوراس میں زیادتی کے لئے مخلصانہ کوششیں کرتا رہے۔یقیناً اس کے لئے سیدالانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حیات وعاداتِ کریمہ کا گہری نظر سے مطالعہ اور پھر اسے مؤثر انداز سے بیان کرنے کے طریقوں کا جاننا بہت ضروری ہے۔

چنانچہ اولاً اس کے لئے کچھ کتب خریدی جائیں، جو فضائل وکمالاتِ سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تحریر کی گئیں ہوں۔مثلاً

(۱) الخصائص الکبری (علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ)

(۲) الشفاء (قاضی عیاض رحمہ اللہ)

(۳) مدارج النبوت (شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)

(۴) جذب القلوب (شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)

(۵) شواہد النبوت (علامہ یوسف نبہانی رحمہ اللہ)

(۶) فیضان سنت (مولانا محمد الیاس قادری مدظلہ)[۱]

سب سے پہلے ان کتب کا مطالعہ فرمائیں ، پھر روزانہ..یا..ہفتے میں کم از کم ایک دن مخصوص کر کے، اپنے محلے والوں ورشتہ داروں کو اپنے گھر میں جمع کر کے چند واقعات سنائیں، ان شاء اللہ عزوجل اس کی برکات نہ صرف شرکاء، بلکہ بیان کرنے والا بھی کچھ ہی عرصے بعد مشاہدہ کرنا شروع کردے گا۔

یونہی مسلمان بہنیں بھی اگر اس عمل کو اپنائیں، تو کچھ ہی عرصے میں ان کا محلّہ عاشقانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جگمگا اٹھے گا اور اس کی برکات سے بے شمار اٹکے ہوئے

---

[۱]:۔ان سب کتب کے لئے مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور سے رابطہ فرمائیں۔(ادارہ)

کام حل ہو جائیں گے اور مختلف غیبی امداد حاصل ہوگی۔

اور ان واقعات کو بیان کرنے کا طریقہ سیکھنے اور اس کے ہمت و حوصلہ حاصل کرنے کے لئے راقم کی تحریر کردہ کتب کا مجموعہ ''تحفۃ المبلغین'' بے حد مؤثر ثابت ہوگا۔ الحمدللہ عزوجل! اس مجموعے کی برکت سے بہت سے مسلمان بھائی اور بہنیں اس مقصد میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ آپ بھی ضرور آزما کر دیکھئے۔[1]

یونہی تبلیغ دین کے سلسلے میں روانہ ہونے والے قوافل میں شرکت کو سعادت مندی تصور کرنا بھی سعادت مندوں کا حصہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے،

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ ۔ اگر تم دینِ خدا کی مدد کرو گے، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ (ترجمہ کنز الایمان۔ پ ۲۶ محمد ۷)

اس سے معلوم ہوا کہ دینی قافلوں میں، اسلام کی سربلندی اور مسلمان بھائیوں کو دوزخ کے راستے سے بچا کر جنت کی راہ دکھانے کی نیت سے سفر کرنا، امدادِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اب یہ امدادِ الٰہی کس شکل میں ہوگی؟... کتنی مقدار میں ہوگی؟... کس کس مقام پر ساتھ دے گی؟... کتنے عرصے تک جاری رہے گی؟... ان سب سوالات کے جوابات، اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کو دیکھتے ہوئے، بخوبی جانے جا سکتے ہیں۔

لھذا اس وعدۂ خداوندی پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے بالکل دیر نہیں کرنی

---

[1]:۔ یہ کتاب بھی مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور اور کراچی کے مختلف مکتبوں سے مل سکتی ہے۔ (ادارہ)

چاہیئے اور ہمت وحوصلے کے ساتھ اپنے نبی کریم (ﷺ) اور صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی سنت کریمہ کے مطابق فوراً روانگی کا ذہن بنانا چاہیئے۔

لیکن یقیناً اس کے لئے چند امور کا ہونا بے حد ضروری ہے۔

(۱) علم دین۔ (۲) عمل۔ (۳) چند ساتھی، جن کے ساتھ سفر طے کیا جائے۔

(۴) طریقہ تبلیغ کی معرفت۔ (۵) صبر وتحمل۔ (۶) اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ وتوکل۔

(۷) جس جگہ جانا ہے، اس مقام کا انتخاب۔

(۸) وہاں کے لوگوں کی عادات واطوار کی مکمل معرفت۔ (۹) زادِ راہ۔

(۱۰) سفر کے بنیادی مقصد کا ذہن نشین ہونا۔ (۱۱) اطاعت وفرمانبرداری کی عادت۔

(۱۲) اس مقام پر کس طرح وقت گزارنا چاہیئے، اس کے بارے میں مکمل معلومات۔

(۱۳) جو لوگ دعوتِ دین سے متاثر ہو کر قریب آئیں، انہیں واپس آجانے کے باوجود دین کے قریب رکھنے کا طریقہ۔

آیئے ان سب کی اہمیت وضرورت پر بھی ایک سرسری نگاہ ڈال لی جائے۔

(1) علم دین:۔

اس کی ضرورت بالکل واضح ہے۔ کیونکہ جب تک تبلیغ دین کرنے والے کو خود دینی معلومات حاصل نہ ہوں گی، وہ دوسروں کو کس طرح اور کیا سکھائے گا؟... اس کے لئے ضروری ہے کہ شرعی مسائل پر لکھی گئیں عام فہم کتب کا مطالعہ کیا جائے، تاکہ نماز، روزہ، وضو، غسل، کپڑا اور دیگر چیزوں کو پاک کرنے کے طریقوں کی مکمل معرفت حاصل ہو جائے۔ نیز دیگر ضروریاتِ زندگی سے متعلقہ دیگر مختلف مسائل جاننا بھی

لازم ہے۔اس کے لئے بہارِ شریعت ایک بہترین کتاب ہے۔[1]

(2) عمل:۔

کیونکہ جب تک انسان خود باعمل نہ ہو،اس کی زبان میں وہ تاثیر پیدا نہیں سکتی، جو کسی کو دین کی جانب مائل کرنے کے لئے جزوِلازم کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کے عاداتِ سرکار (ﷺ) کا مطالعہ اور اپنے عمل و کردار کو ان کے مطابق ڈھالنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیئے۔لیکن یادرکھیں کہ باعمل ہونالازم ضروری ہے،لیکن تبلیغ دین کے لئے شرط نہیں۔یعنی ایسانہیں کہ جو بےعمل ہو،وہ تبلیغ دین کا حق ہی نہیں رکھتا،ہاں یہ ضرور ہے کہ باعمل کے مقابلے میں بےعمل کی کامیابی کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں،لھذا باعمل بننے کے لئے کوشش جاری رکھتے ہوئے،دعوتِ دین میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے۔

(3) چند ساتھی، جن کے ساتھ سفر طے کیا جائے:۔

کیونکہ کسی دور مقام پر جانے کے لئے خطراتِ سفر سے محفوظ رہنے اور بے شمار آسانیوں حاصل کرنے کے لئے کچھ ساتھیوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔رحمتِ کونین (ﷺ) بھی اکیلے سفر سے منع فرمایا کرتے تھے۔نیز قافلے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی زیادہ ہوتی ہے۔

(4) طریقۂ تبلیغ کی معرفت:۔

دعوتِ دین دینے کا طریقہ سیکھنا بھی بےحد ضروری ہے۔کیونکہ بسا اوقات

---

[1]:۔یہ کتاب بھی مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور سے طبع شدہ مل سکتی ہے۔(ادارہ)

غلط طریقے سے دی گئی دعوت، فائدے کے بجائے نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔اس کے لئے کسی تجربہ کار شخص کی خدمت میں کچھ عرصہ رہنا اور ان طریقوں کو سیکھنا، اپنے لئے لازم سمجھنا چاہیئے۔[1]

(5) صبر وتحمل:۔

کیونکہ بے صبرا، نہ تو راہِ سفر کی تکلیفات پر خاموش رہ سکے گا اور نہ ہی سامنے والے کے اس کی دعوت کو رد کر دینے پر اس کا صبر کے کڑوے گھونٹ پینا ممکن رہے گا، نتیجہ یہی نکلے گا کہ یا تو کچھ ہی عرصے میں تبلیغ دین چھوڑ بیٹھے گا یا اظہار غضب کی بناء پر کام بنانے کے بجائے بگاڑ دے گا اور اس طرح خود بھی کئی مصیبتوں میں گرفتار ہوگا اور شریک سفر بھی آزمائشوں میں مبتلاء ہو جائیں گے۔

(6) اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ وتوکل:۔

کیونکہ اس کے بغیر نہ تو شیطان دعوتِ دین کے لئے نکلنے دے گا، کیونکہ کاروبار ونوکری میں نقصان اور گھر بار کے بارے میں بے شمار وساوس کا شکار کروا دے گا اور نہ ہی دوران سفر چین وسکون میسر آسکے گا، کیونکہ پیچھے کی فکر، موجودہ ساعتوں کی برکات کو چھین کر مسلسل اضطرابِ قلب میں مبتلاء رکھے گی اور یوں کسی بھی کام میں نورانیت وسکون محسوس نہ ہوگا۔

(7) جس جگہ جانا ہے، اس مقام کا انتخاب:۔

کیونکہ اسی حساب سے تیاری کی جائے گی، ورنہ بسا اوقات اس کی مکمل

---

[1]:۔ان شاء اللہ عزوجل عنقریب مفتی محمد اکمل مدظلہ اس سلسلے میں ایک کتاب ''تبلیغ دین کا طریقہ'' لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ اس موضوع پر ایک بے مثال کتاب ثابت ہوگی۔(ادارہ)

معرفت کا نہ ہونا شدید نقصان کا شکار کروا دیتا ہے۔ مثلاً دیکھا جائے کہ وہ مقام کتنا دور ہے؟...اس پہنچنے کے لئے کون سا ذریعہ سفر مؤثر رہے گا؟...اس میں کتنا خرچہ آئے گا؟...وہ سرد علاقہ ہے یا گرم؟...وہاں کے لوگ کون سی زبان استعمال کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(8) وہاں کے لوگوں کی عادات واطوار و مذہب کی مکمل معرفت:۔

کیونکہ وہاں کے عرف و عادت کی مکمل معرفت نہ ہونے کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ نادانستہ طور پر کوئی ایسا قول یا فعل سرزد ہوجائے، جسے وہاں کے عرف یا وہاں کے رہنے والوں کے مذہب میں بے ادبی میں شمار کیا جاتا ہو، ایسی صورت میں کبھی کبھی وضاحت کرنا بھی مفید نہیں رہتا اور ناکامی استقبال کے لئے تیار ہوجاتی ہے۔

(9) زادِ راہ:۔

اس کے بغیر گزارا نہ ہونا، بالکل واضح ہے۔

(10) سفر کے بنیادی مقصد کا ذہن نشین ہونا:۔

تاکہ وہاں وقت فضول ضائع نہ ہو۔ چنانچہ لوگوں کو دین سکھانا، خود سیکھنا، نمازی بنانا، ان کو عبادات کا طریقہ بتانا وغیرھا مقاصد ہمیشہ پیش نظر رہنے چاہئیں۔

(11) طاعت وفرمانبرداری کی عادت:۔

کیونکہ اس کے بغیر قافلے کے امیر کی اطاعت ممکن نہیں، نتیجۃً آپس میں

انتشار وافتراق پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

(12) اس مقام پر کس طرح وقت گزارنا چاہیئے، اس کے بارے میں مکمل معلومات:۔

تاکہ وقت کا درست استعمال ہو سکے اور مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کامیابی وآسانی رہے۔

(13) جو لوگ دعوتِ دین سے متاثر ہو کر قریب آئیں، انہیں واپس آجانے کے باوجود دین کے قریب رکھنے کا طریقہ:۔

کیونکہ اگر کسی کا ذہن دین کی مائل کیا، لیکن بعد میں اس پر توجہ نہ کی، تو شیطان کیلئے اس کو دوبارہ سابقہ زندگی کی جانب مائل کرنا قطعاً دشوار نہ رہے گا۔ کیونکہ انسان کی کیفیات مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ کسی شخص کے جو جذبات وخیالات آپ کے سامنے ہیں، ضروری نہیں کہ آپ کی غیر موجودگی میں بھی ایسے ہی رہیں۔ لھذا واپس آنے کے بعد چند امور ضرور اختیار کرنے چاہئیں۔ لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ ان امور پر عمل کی توفیق فقط اسی کو حاصل ہوگی، جو رسمی کاروائی کی تکمیل نہیں، بلکہ دین کی حقیقی خدمت کا جذبہ رکھتا ہے۔

(i) شروع میں ہر ہفتے اور پھر ایک دو ماہ کے بعد کم از کم ہر پندرہویں دن ایک خط ضرور لکھیں، جس میں فکرِ آخرت اور دینی کام کی اہمیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے۔[1]

---

[1]:۔ نیکی کی دعوت کا خط لکھنے کا طریقہ سیکھنے کے لئے مفتی صاحب کی تصنیف ''نیکی کی دعوت کے خطوط'' کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ (ادارہ)

(ii) اگر کوئی اس علاقے میں جا رہا ہو، تو اس کے ذریعے تحفہ بھیجیں۔ کم از کم سلام ضرور بھیجنا چاہیئے۔

(iii) کبھی کبھی ٹیلی فون پر بھی رابطہ کرنا چاہیئے۔

(iv) اگر اس کو پہنچنے والے کسی نقصان کے بارے میں کوئی خبر ملے، تو ہمدردی کا خط ضرور ضرور لکھیں۔ یہ خط عام حالات میں لکھے گئے خط سے زیادہ محبت پیدا کرے گا۔[1]

اگر اس سلسلے میں کسی دوسرے شہر یا ملک میں جانا مشکل محسوس ہو، تو کم از کم اپنے ہی شہر میں مختلف مقامات پر جانا، ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیئے۔

قلتِ وقت کی بناء پر فقط اتنے ہی گفتگو پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری اس سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور مجھے بھی تاحیات دعوتِ دین کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین (ﷺ)

/☆/☆/☆/☆/☆/☆/☆/☆/☆/☆/☆/

---

[1]:۔ ان امور میں آسانی کے لئے دعوتِ اسلامی کے عالمی مرکز فیضان مدینہ (پرانی سبزی منڈی کراچی) سے رجوع کریں یا اپنے علاقے میں ہونے والے دعوتِ اسلامی کے ہفتہ وار اجتماع میں شرکت فرمائیں۔ (ادارہ)

۸۶

قافلے میں چلو

لوٹنے رحمتیں قافلے میں چلو | سیکھنے سنتیں قافلے میں چلو
چاہو گر برکتیں قافلے میں چلو | پاؤ گے عظمتیں قافلے میں چلو
ہوں گی حل مشکلیں قافلے میں چلو | دور ہوں آفتیں قافلے میں چلو
طیبہ کی جستجو حج کی گر آرزو | ہے بتا دوں تمہیں قافلے میں چلو
الفتِ مصطفٰے اور خوفِ خدا | چاہیے گر تمہیں قافلے میں چلو
گر مدینے کا غم چاہیے چشمِ نم | لینے یہ نعمتیں قافلے میں چلو
قرض ہو گا ادا آگے مانگو دعاء | پاؤ گے برکتیں قافلے میں چلو
دکھ کا درماں ملے آئیں گے دن بھلے | ختم ہوں گردشیں قافلے میں چلو
غم کے بادل چھٹیں اور خوشیاں ملیں | دل کی کلیاں کھلیں قافلے میں چلو
ہو قوی حافظہ ٹھیک ہو ہاضمہ | کام سارے بنیں قافلے میں چلو
علم حاصل کرو جہل زائل کرو | پاؤ گے رفعتیں قافلے میں چلو
گو قرضدار ہو یا کہ بیمار ہو | چاہو گر راحتیں قافلے میں چلو
گرچہ ہوں گرمیاں یا کہ ہوں سردیاں | چاہیں ہوں بارشیں قافلے میں چلو
کوندیں گر بجلیاں یا چلیں آندھیاں | چاہے اولے پڑیں قافلے میں چلو

بارہ مہ کیلئے تیس دن کیلئے
بارہ دن دے ہی دیں قافلے میں چلو

سنتیں سیکھنے تین دن کیلئے
ہر مہینے چلیں قافلے میں چلو

اے مرے بھائیو! رٹ لگاتے رہو
قافلے میں چلیں قافلے میں چلو

فون پر بات ہو یا ملاقات ہو
سب سے کہتے رہیں قافلے میں چلو

دوست کے گھر میں ہوں یا کہ دفتر میں ہوں
سب سے کہتے رہیں قافلے میں چلو

درس دیں یا سنتیں یا بیاں آپ دیں
اس میں یہ بھی کہیں قافلے میں چلو

عاشقان رسول ان سے رحمت کے پھول
آؤ لینے چلیں قافلے میں چلو

عاشقان رسول آئے لینے دعاء
آؤ مل کر چلیں قافلے میں چلو

عاشقان رسول لائیں جب قافلہ
خیر خواہی کریں قافلے میں چلو

کھانا لے کر چلیں ٹھنڈا شربت بھی لیں
خیر خواہی کریں قافلے میں چلو

ان پہ ہوں رحمتیں قافلے کا سنیں
خیر خواہی کریں قافلے میں چلو

یا خدا بخش دے ان مسلماں کو جو
خیر خواہی کریں قافلے میں چلو

یا خدا ہر گھڑی رٹ ہو عطار کی
قافلے میں چلیں قافلے میں چلو

تحفۃ المبلغین

مبلغین و مقررین کی دینی خدمت
میں معاون چند کتب کا بہترین مجموعہ

مؤلف

مفتی محمد اکمل مدنی

مکتبہ اعلیٰ حضرت

لاہور، پاکستان

راہ خدا میں سفر کرنے والے اسلامی بھائیوں کے لئے کثیر

بیانات کا انمول مجموعہ

رحمانی بیانات

مؤلف

مفتی محمد اکمل مدنی

مکتبہ اعلیٰ حضرت

الحمد مارکیٹ دکان 25 غزنی سٹریٹ 40 اردو بازار لاہور، پاکستان

042-7247301-0300-8842540

E-mail:maktabaalahazrat@hotmail.com

حلالہ، عدت وسوگ، چوری، ڈاکے، دودھ کے رشتوں، میاں بیوی
کے حقوق اور حرام عورتوں سے متعلقہ احکام کے بارے
میں پانچ (5) رسائل کا ایک بہترین مجموعہ

ہمارے مسائل اور
ان کا حل

مؤلف

مفتی محمد اکمل

دامت برکاتهم العالیه

مکتبہ اعلیٰ حضرت

مکتبہ اعلیٰ حضرت لاهور پاکستان

مکتبہ اعلیٰ حضرت کی دیگر کتب

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ہدیہ
1.	امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر	علامہ عبدالستار ہمدانی	30
2.	انوار الحدیث	مفتی محمد جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ	120
3.	برکات قادریت	مولانا جمیل الرحمٰن قادری	40
4.	زلزلہ مع تبلیغی جماعت	ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ	100
5.	تذکرہ اعلیٰ حضرت	حافظ عطاء الرحمٰن ایم اے	30
6.	تذکرۃ الموتیٰ والقبور	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	30
7.	تکمیل ایمان	شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ	67
8.	جنتی زیور	حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ	120
9.	دیدار حبیب	امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ	45
10.	زلف وزنجیر	ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ	100
11.	سرور خاطر مع مواعظہ حسنہ	امام ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ و امام عبدالرحمٰن عصفوری رحمۃ اللہ علیہ	67
12.	سیرت صدر الشریعہ	حافظ عطاء الرحمٰن ایم اے	100
13.	عقائد اہل سنت	مولانا جمیل الرحمٰن قادری رحمۃ اللہ علیہ	15
14.	فتاویٰ بریلی	علمائے ہند	200
15.	مدینہ مدینہ	علمائے ہند	10
16.	والدین کے بارہ حقوق	امام اہل سنت الشاہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ	10
17.	آداب زوجیت	مفتی اصغر علی رضوی	30
18.	آئینہ قیامت	مولانا حسن رضا خاں صاحب	30